قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطہ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور موثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جس میں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیات قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

شمارہ ۱۱ | شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ ـــ نومبر ۲۰۰۰ء | جلد ۱۹

ـــ یکے از مطبوعات ـــ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شادی ہال، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا اٹھائیسواں سالانہ اجلاس

آج سے اٹھائیس سال قبل محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ نے دعوت رجوع الی القرآن کے فروغ اور علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کے لئے چند اعوان و انصار جمع کر کے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام سے جو ننھا سا پودا لگایا تھا وہ آج بحمد اللہ ایک ثمر آور تناور درخت بن چکا ہے' جس کے زیر سایہ قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج جیسے متعدد ادارے نشو و نما پا رہے ہیں۔ مزید برآں مرکزی انجمن کی کوکھ سے پاکستان کے کئی شہروں میں منسلک انجمنیں وجود میں آچکی ہیں اور اس طرح مختلف شہروں میں قرآن اکیڈمیز اور قرآن کالجز قائم ہو رہے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد!

۹ نومبر کی شام کو دعوت رجوع الی القرآن کی نقیب مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا اٹھائیسواں سالانہ اجلاس قرآن آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہوا' جس میں کراچی' ملتان' فیصل آباد' سرگودھا' پشاور اور اسلام آباد کی انجمنوں کے عہدیداران نے بھی شرکت کی۔ معمول کی کارروائی کے بعد صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے اختتامی کلمات میں فرمایا کہ وقت کی اہم ترین ضرورت قرآن حکیم کے عطا کردہ عادلانہ و منصفانہ نظام کا کسی ایک خطۂ ارضی پر قیام ہے' تاکہ دنیا کے سامنے ایک ماڈل پیش کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال مرحوم نے مسلمان قوم کو للکارتے ہوئے کہا تھا کہ وہ گوشہ نشینی کی روش ترک کر کے دنیا کے سامنے دینِ اسلام کے اسرار و حکم واضح کریں اور اسلام کو ایک نظام کی صورت میں بطور نمونہ پیش کریں ؎

اے کہ می نازی بقرآنِ عظیم! تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم؟
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن! حکمت شرعِ مبیں را فاش کن!!

انہوں نے اس امر کو اپنی خوش بختی قرار دیا کہ ان کی زندگی کے پورے پچاس برس خدمت قرآنی میں بسر ہوئے ہیں اور ان کا نام ایک خادمِ قرآن کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ انہوں نے اس بات پر گہرے اطمینان کا اظہار کیا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جس دعوت رجوع الی القرآن کو لے کر اٹھی تھی' آج اس دعوت کے فروغ کے لئے بہت سی تنظیمیں اور ادارے کام کر رہے ہیں۔ گویا ؎

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں!

درس ۱۸

نبیِّ اکرم ﷺ کا بنیادی طریقِ کار

یا

انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

——— (۱) ———

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور و فکر کے ضمن میں بھی ہم وہی طریق کار اختیار کریں گے جو سورۃ الصّف کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا کہ پہلے سورت کی مرکزی آیت کو کماحقّہٗ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد ایک ایک آیت کو غور و فکر کا موضوع بنایا جائے۔ بالخصوص ہر آیت کا جو ربط و تعلق اس مرکزی آیت کے ساتھ بنتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے مضامین کا باہمی ربط

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ میں جوڑے جوڑے ہونے کی وہ نسبت جو قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں موجود ہے' بہت ہی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں بلند پایہ سورتیں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصّف کا مرکزی مضمون تھا نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت' جبکہ سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس مقصدِ بعثت کے حصول اور اس عظیم مشن

کی تکمیل کے لئے آپؐ کا بنیادی طریق کار کون سا تھا! ـــــ یہاں لفظ "بنیادی" خاص طور پر قابلِ توجّہ ہے اور اسے سمجھنے کے لئے ہمیں قدرے تفصیل میں جانا ہو گا۔

اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم عام مروّجہ معنوں میں نبی اکرم ﷺ کو ایک انقلابی رہنما کہیں تو یہ یقیناً آپؐ کی توہین کے مترادف ہو گا' لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ داعیٔ انقلاب کا اطلاق نسلِ انسانی کے کسی فرد پر اگر بتمام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہیں!! اس لئے کہ تاریخ انسانی کا ہمہ گیر ترین اور گھمبیر ترین انقلاب برپا کرنے کا سہرا بلاشبہ آپؐ ہی کے سر ہے۔

تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب

غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ تاریخ کے دو بڑے بڑے انقلاب جن کا بہت شہرہ ہے' محض جزوی انقلابات تھے۔ انقلابِ فرانس ہو یا انقلابِ روس' ان دونوں نے زندگی کے رخ میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی برپا نہیں کی۔ انقلابِ فرانس میں لوگوں کے افکار اور عقائد نہیں بدلے' ان کا طرزِ معاشرت تبدیل نہیں ہوا' صرف نظامِ حکومت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ یعنی شخصی حکومت کا دَور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہو گیا۔ اسی طرح انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) اگرچہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا' بلکہ اگر اسے انقلابوں کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کی کوکھ سے انقلابوں کی ایک پوری کھیپ برآمد ہوئی ہے' بایں ہمہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ذریعے بھی ایک جزوی تبدیلی ہی آ سکی' یعنی محض نظامِ معیشت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ اور ویسے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک بڑا انقلابی فکر یعنی جدلی مادیت (Dialectical Materialism) اس انقلاب کی پشت پر تھا لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مادیت پہلے سے موجود تھی' اس نے صرف ایک قدم آگے بڑھایا اور جدلی مادیت کی شکل اختیار کر لی' اسے آپ "مادیت" سے "جدلی مادیت" تک ایک ارتقائی عمل تو کہہ سکتے ہیں' انقلابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ گویا کہ وہاں بھی اصل تبدیلی زندگی کے محض ایک گوشے یعنی نظامِ معیشت میں واقع ہوئی کہ کوشش کی گئی کہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے کر حصہ رسدی تمام افراد تک کسی قدر منصفانہ

انداز میں پہنچا دیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ معاشی ڈھانچے میں اس تبدیلی کے ضمن میں انسان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا کیا ردِ عمل سامنے آ رہا ہے' فی الوقت صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دنیا کے یہ تمام انقلابات جزوی تھے' جبکہ نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہمہ گیر تھا۔ اس انقلاب میں لوگوں کے عقائد بدلے' افکار بدلے' نظریات بدلے' زندگی کی قدریں بدلیں' نقطۂ نظر تبدیل ہو گیا' سوچ کا رخ بدل گیا' طرزِ بود و باش بدل گئی' معیشت کا انداز بدل گیا' سیاست کے طور اطوار بدل گئے' یوں کہئے کہ زمین بدل گئی' آسمان بدل گیا۔ بلکہ یہاں یہ تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کیا چیز نہیں بدلی! ـــــ اس پہلو سے کسی دوسرے انقلاب کو انقلابِ محمدیؐ سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی! چنانچہ اس پہلو سے ہمارے اس دور کے برعظیم پاک و ہند کے ایک بہت بڑے انقلابی ایم این رائے نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "Historical Role of Islam" میں اگر یہ کہا کہ محمد ﷺ بہت بڑے انقلابی رہنما تھے تو واقعہ یہ ہے کہ غلط نہیں کہا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ دنیا کے تمام اہم انقلابات کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو ایک بات قریباً ہر جگہ مشترک نظر آئے گی کہ انقلابی فکر تخلیق کرنے والے یا پیش کرنے والے کچھ اور لوگ تھے اور اس انقلاب کو عملاً برپا کرنے کا معاملہ کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔ انقلابِ فرانس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ والٹیئر' روسو اور ان جیسے نامعلوم کتنے اہلِ قلم تھے جنہوں نے وہ فکر دیا کہ جس کی بنیاد پر اس انقلابی عمل کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انقلابِ فرانس کے عملاً برپا ہونے اور اس کی عملی رہنمائی میں ان مفکرین کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ وہ انقلاب عملاً کچھ اوباش قسم کے لوگوں کی رہنمائی میں برپا ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑا ہی خونی انقلاب تھا۔ اسی طرح کا معاملہ انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) کا بھی تھا۔ اس انقلاب کے لئے انقلابی فکر دینے والا کارل مارکس جو جرمنی کا رہنے والا تھا' خود اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکا۔ سوچئے' یہاں ایک بالکل ہی دور دراز کے ملک میں ایک فعال شخصیت لینن کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہوا جس نے کارل مارکس کے دیئے

ہوئے فکر و فلسفہ کو دنیا میں ایک انقلاب کی عملی شکل میں ڈھالا۔ معلوم ہوا کہ انقلابی فکر دینے والے بالعموم کچھ اور لوگ ہوتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور!

اس پس منظر میں دیکھئے تو نبی اکرم ﷺ کا معاملہ منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تیئیس برس میں یعنی ایک "life span" کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ بلکہ یہ تیئیس برس بھی شمسی نہیں قمری ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے حساب سے وہ بمشکل بائیس برس بنتے ہیں۔ کُل بائیس برس میں ایک شخص فردِ واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ دعوتی و انقلابی جِدّوجُہد ان تمام مراحل کو طے کر کے جو کسی بھی انقلاب کو درپیش ہوتے ہیں' نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو تمسخر و استہزاء کے ابتدائی مرحلے سے گزرنا پڑا' پھر وہ شدید تشدد (persecution) کا دور بھی آیا جس میں اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے' پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ وطن کو چھوڑنا پڑا' مکّے کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ کا رخ اختیار کرنا پڑا' پھر اقدام کا مرحلہ بھی آیا اور جہاد و قتال کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام مراحل سے گزر کر کُل تیئیس برس کی مدّت میں وہ انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ جس کی طرف توجّہ دلانے کے لئے یہ ساری بات گوش گزار کی گئی' یہ نکلا کہ حضور ﷺ کی سیرتِ مطہّرہ میں اس انقلابی عمل کے مختلف مراحل بہت نمایاں ہو گئے۔ بلکہ آپؐ کے اس انقلابی عمل کا tempo اتنا شدید ہے اور وہ انسان کی توجّہ کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما اساسی طریق کار بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اساسی طریق کار یا منہجِ عمل اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس انقلابی جِدّوجُہد' اس تصادم اور اس تمام تر جہاد و قتال کے لئے وہ افراد کس طور سے حاصل ہوئے کہ جن میں ہر ایک عزم و ہمت اور استقامت کی چٹان ثابت ہوا۔ ان افراد کے فکر و نظر میں انقلاب کیونکر برپا ہوا اور پھر ان کی تربیت کا معاملہ کس نہج پر ہوا! گویا غور طلب بات یہ ہے کہ اس انقلابی عمل کی تہہ میں کارفرما وہ کون سا عمل تھا کہ جس کے ذریعے انفرادی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔ جس طرح کسی پہاڑی ندی کا زور و شور

اور اس کی موجوں کا تلاطم انسان کو اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی' اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا یہ پہلو یعنی انقلابی کشمکش اور اس میں تصادم کے مختلف مراحل کسی بھی سیرت کے سننے یا پڑھنے والے کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ اس جدّوجہد کے پس پشت کارفرما اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ساری توجّہ اسی ایک پہلو پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ میں درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اسی اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار کو واضح کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ افراد تیار کئے گئے کہ جو اِس انقلابی جدّوجہد میں نبی اکرم ﷺ کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس مضمون کی اہمیت کو اکبر الٰہ آبادی کے ایک شعر کے حوالے سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے' بڑا پیارا شعر ہے ؎

خدا کے کام دیکھو' بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

کہ اگرچہ حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب' صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ بڑے اہم نشاناتِ راہ (land marks) شمار ہوتے ہیں لیکن اِس وقت ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ بنیادی process اور طریق کار کون سا تھا کہ جس سے انقلاب کی داغ بیل پڑی' جس سے افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا' وہ افراد کہ جنہوں نے اپنی سیرت و کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا نقشہ وہ ہے جو سورۃ الاحزاب میں بایں طور آیا ہے کہ :

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾

"اہلِ ایمان میں ایسے جوان مرد موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔"

﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۡ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

"تو ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (اور گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے' سرخرو ہو چکے) اور باقی ابھی منتظر ہیں (کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی سبکدوش ہو جائیں) اور انہوں نے اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی"۔

وہ مردانِ کار کس process سے اور کس طور سے تیار ہوئے تھے' یہ ہے درحقیقت سورۃ جمعہ کا مرکزی مضمون۔

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت (یعنی آیت نمبر۲) کے بارے میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں جو چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں' ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان کا اعادہ کیا گیا ہے اور یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ آئے' پھر چند رکوعوں کے بعد اللہ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے اعلان کے ذکر میں انہی الفاظ کا اعادہ ہوا' پھر سورۂ آل عمران میں اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بیان میں کہ اللہ نے تم میں اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے پھر انہی چار اصطلاحات کو دہرایا گیا اور پھر آخری مرتبہ یہ چاروں اصطلاحات یہاں سورۃ الجمعہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہاں تو یہ الفاظ یا یہ اصطلاحات گویا کہ اس پوری سورت کے لئے بمنزلۂ عمود ہیں' یا یوں کہہ لیجئے کہ انہیں اس سورت کے مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے آیئے کہ اس سورۂ مبارکہ پر اور بالخصوص اس کی آیت نمبر۲ پر نگاہوں کو پورے طور پر مرتکز کر دیا جائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾

دیکھئے! جس طرح سورۃ الصف کی مرکزی آیت کا آغاز ہوا تھا "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" کے الفاظ سے' اسی طرح سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کا آغاز ہو رہا ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ دونوں مقامات پر ایک ہی

اسلوب ہے اور نہایت ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ "وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیین میں ایک رسول انہی میں سے"۔ بعث کے معنی ہیں کسی چیز کا اٹھانا یا برپا کرنا۔ چنانچہ "بعث بعد الموت" کی اصطلاح موت کے بعد جی اٹھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ لفظ "اُمِّیّٖن" پر ہم ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کہ یہ اس سورۂ مبارکہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔ ابھی ذرا وقتی طور پر اس لفظ سے توجّہ کو ہٹاتے ہوتے آگے بڑھئے۔ اگلے الفاظ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان میں رسولؐ کے طریق کار یا منہجِ عمل کا بیان ہے کہ وہ رسول جو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے' کیا کرتے ہوئے آیا ہے : ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ "تلاوت کرتا ہے ان لوگوں پر اس کی آیات (یعنی اللہ کی آیات)' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی"۔ آیت کا آخری ٹکڑا حسب ذیل ہے : ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ "اور اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے"۔

چار اہم اصطلاحات

یہ ہے وہ آیۂ مبارکہ جس کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ یہ مضمون کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اس میں چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں : i) تلاوتِ آیات' ii) تزکیہ' iii) تعلیمِ کتاب' اور iv) تعلیمِ حکمت۔ ان چاروں پر آپ غور کریں گے تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے یہ آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں! ظاہر بات ہے کہ تلاوتِ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہی کا پڑھ کر سنانا ہے۔ اسی طرح تعلیمِ کتاب سے مراد بھی قرآن حکیم ہی کی تعلیم ہے۔ البتہ دو اصطلاحات وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کچھ ظاہر بین لوگوں کو یہ اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید ان سے کتاب اللہ کے سوا کوئی اور شے مراد ہے۔ چنانچہ عملِ تزکیہ کے بارے میں ایک گمان یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا علیحدہ تشخص ہے۔ اسی

طرح لفظ "حکمت" کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے ائمہ دین کی طرف سے' جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں' یہ خیال سامنے آیا ہے کہ اس سے مراد سنّتِ رسولؐ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے تمام تر احترام کے باوصف یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ ان چاروں اصطلاحات کا باہمی ربط و تعلق کیا ہے اور خود قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے ان کا کیا مفہوم متعین ہوتا ہے۔ جس طرح سورۃ العصر کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ شرائطِ نجات کے بیان میں وہ چاروں چیزیں جو وہاں بیان ہوئی ہیں ان میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے۔ ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ عمل صالح ہے۔ اور عمل صالح اگر پختگی کو پہنچے گا تو اس سے تواصی بالحقّ کے برگ و بار لازماً ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اسی طرح اگر صحیح معنی میں حق کی دعوت دی جائے تو یقیناً صبر کا مرحلہ آکر رہے گا' تکالیف و مشکلات آئیں گی اور انہیں جھیلنا ہوگا۔ تو جس طرح سورۃ العصر کی ان چار اصطلاحات میں باہم گہرا ربط ہے' اسی طرح سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا چار اصطلاحات بھی باہم مربوط ہیں۔

تزکیے کے بارے میں تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی' سرِدست اتنی بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید مدّعی ہے کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورۂ یونس میں صاف الفاظ میں فرمادیا گیا : ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ﴾ یعنی "اے لوگو! تمہارے پاس آچکی ہے تمہارے رب کی طرف سے ایک موعظت' ایک نصیحت جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لئے"۔ یہ قرآن تمہارے تمام باطنی اور روحانی امراض کا مداوا بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیۂ نفس یا تزکیۂ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے۔ اور جہاں تک "تعلیمِ حکمت" کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۂ بنی اسرائیل میں وہ آیت وارد ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ہے کہ حکمت کا اصل سرچشمہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : ﴿ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾ "یہ ہے وہ چیز کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر وحی کی ہے آپ کے رب نے از قسمِ حکمت!" تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت درحقیقت قرآن مجید

ہی کے گرد گھوم رہی ہیں اور ان سب کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظِ دیگر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا آلۂ انقلاب یہی قرآن مجید ہے' جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے پیارے انداز میں کہا تھا ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

غور کیجئے' محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے افراد کی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب کیسے برپا فرمایا! ان کے فکر اور ان کے کردار میں جو ہمہ گیر تبدیلی آئی وہ کیونکر آئی؟ اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس تمام تبدیلی کی بنیاد اور اساس خود قرآن حکیم ہے۔ تو آیئے کہ ہم ان چار اصطلاحات پر اپنی توجّہات کو مرکوز کریں!

تلاوتِ آیات

نبی کریم ﷺ کا پہلا کام یا آپ کے فرائض چہار گانہ میں سے پہلا فریضہ ہے تلاوتِ آیات' جس کے لئے یہاں الفاظ لائے گئے : ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ ـــــ "تَلَا' یَتْلُوْ" اگر بغیر کسی صلے کے آئے تو اس کے معنی خود پڑھنے کے ہوتے ہیں اور جب اس پر "علٰی" کا اضافہ ہو جائے' جیسے تَلَا عَلَیْهِ تو اس کے معنی ہوں گے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ کارِ نبوّت یا کارِ رسالت کا سرِ آغاز یہی تلاوتِ آیات ہے۔ دعوت کا آغاز تلاوتِ آیات ہی سے ہوتا ہے۔

لفظ آیات پر اس سے قبل ہمارے ان اسباق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ غور کیجئے کہ آیات یا نشانیوں کا حاصل کیا ہے! ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان آیات سے اصل مقصود ذہن کو اللہ کی جانب متوجّہ کرنا ہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے' اللہ کی معرفت اور اس پر ایمان قلوب میں اجاگر ہو جائے۔ یہی آیات ہیں کہ جو پھر انسان کو بعث بعد الموت کی طرف اور جزا و سزا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ گویا ہر اعتبار سے اوّلین کام تلاوتِ آیات ہی بنتا ہے۔ قرآن مجید کی حکمتِ نزولی سے ہمیں اس کی مزید تائید ملتی ہے کہ قرآن مجید میں مکّی سورتوں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کا بنیادی موضوع ایک ہی ہے اور وہ

ہے توحید، کہ اصل مقصود یہ ہے کہ ایمان باللہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے، ہستیٔ باری تعالیٰ کا یقین راسخ ہو جائے، اس کی صفاتِ کمال کا علم حاصل ہو جائے، اس کی توحید پر دل ٹھک جائے، جزا و سزا، بعث بعد الموت، حشر نشر اور جنت و دوزخ پر ایک یقینِ محکم پیدا ہو جائے، نبوت و رسالت اور انزالِ وحی و کتب کے ضمن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل اہمیت کی چیز، یہ ہے کارِ رسالت کا نقطۂ آغاز!

قرآن حکیم کی آیات نے آکر لوگوں کے ذہنوں سے تمام ملحدانہ خیالات، مشرکانہ عقائد اور اس کائنات اور خود اپنے بارے میں انسان کے قائم کردہ تمام غلط نظریات کو دھو دیا اور صاف کر دیا۔ اس تطہیرِ ذہنی و فکری کا اصل ذریعہ ہے تلاوتِ آیات!

ایک فرد کے معاملے کو ذہن میں رکھ کر آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک فرد میں اسلامی انقلاب آجائے تو ظاہر بات ہے کہ آپ کو سب سے پہلے اس کی سوچ اور اس کے نقطۂ نظر کا جائزہ لینا ہو گا اور اس کے فکر کی اصلاح سے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔ اگر آپ چھوٹتے ہی اسے کچھ شعائرِ اسلامی کا احترام کرنے یا نماز روزے کی تلقین کریں گے تو یہ ایک غیر حکیمانہ ترتیب ہو گی۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جائزہ لینا ہو گا کہ اُس شخص کا فکر کیا ہے، اس کی سوچ کیا ہے، آیا وہ اس کائنات کو محض ایک حادثہ سمجھتا ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ نظام از خود چل رہا ہے یا وہ مانتا ہے کہ اس کا کوئی خالق، مالک اور مدبّر بھی ہے!! اسی طرح یہ دیکھنا ہو گا کہ آیا وہ اسی دُنیوی زندگی کو کُل زندگی سمجھتا ہے یا حیاتِ بعد موت کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود ہے! ـــــ اور آیا وہ صرف عقل اور حواس ہی کو اپنے لئے حصولِ علم کا ذریعہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی ماوراءِ عقل یا ماوراءِ حواس ذریعۂ علم (source of knowledge) کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر آپ کی اس انقلابی کوشش کا آغاز یہاں سے نہیں ہو گا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی کوششیں بار آور نہیں ہوں گی۔ اگر ذہن پر مادہ پرستی، الحاد اور مختلف مشرکانہ اوہام کا تسلّط ہے تو سب سے پہلے ان کی تطہیر لازم ٹھہرے گی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس ماحول میں وہ انقلاب برپا فرمایا اس میں

تلاوتِ آیات کے ذریعے لوگوں کی ذہنی اور فکری تطہیر کے عمل کو مقدم رکھا۔ مادّہ پرستی' الحاد اور مشرکانہ اوہام کے زہر سے قلوب و اذہان کو پاک کر کے مثبت طور پر دلوں میں ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور ایمان بالوحی اور رسالت کی بنیادیں قائم کیں۔ یہ ہے درحقیقت انقلابِ محمد ﷺ کا نقطہ آغاز۔ یہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں جتنی اصطلاحات بھی وارد ہوئی ہیں ان سب کا مبنیٰ' ان سب کا مرکز اور محور قرآن مجید خود اپنے آپ کو قرار دیتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں "انذار و تبشیر" انبیاء کرام کا ایک بنیادی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انذار کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ ﴾ (الانعام : ۱۹) "مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے خبردار کر دوں"۔ معلوم ہوا کہ انذار کا اصل ذریعہ خود قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح تبشیر کے بارے میں فرمایا : ﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ ﴾ (مریم : ۹۷) "(اے نبیؐ!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے' تاکہ آپ اسی کے ذریعے اہلِ تقویٰ کو بشارت دیجئے اور اسی کے ذریعے آپ انذار فرمائیے اور خبردار کیجئے جھگڑالو قوم کو"۔ گویا انذار ہو یا تبشیر دونوں کا ذریعہ اور مرکز و محور خود قرآن ہے۔

اسی طرح انبیاء کا ایک فریضہ "تذکیر" بھی ہے۔ یعنی یاد دہانی کرانا' نصیحت کرنا۔ سورۂ قٓ کی آخری آیت میں اس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴾ "تذکیر فرمائیے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو"۔ اسی طرح فرائض نبوت و رسالت کی تعبیر کے ضمن میں ایک اہم اصطلاح "تبلیغ" کی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوتا ہے : ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ "(اے نبیؐ) پہنچا دیجئے تبلیغ فرمائیے اُس کی جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے"۔ الغرض دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن حکیم کی جو بھی بنیادی اصطلاحات ہیں مثلاً انذار و تبشیر اور تذکیر و تبلیغ' ان سب کا مرکز و محور خود قرآن ہے۔ چنانچہ سیرتِ مطہرہ میں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ آپؐ نے ہر جگہ قرآن ہی کو پیش کیا' اپنی بات کہنے اور اپنی تقریر کرنے سے حتی الامکان احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں نے خطباتِ نبویؐ کو جمع کرنے

کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں خطبات دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپؐ کی گفتگو نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی اور جس جگہ بھی آپؐ دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور ان کے ذریعے انذار' تبشیر اور تذکیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ اسی قرآن کے ذریعے سے آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ تو گویا انقلابِ محمدیؐ کا نقطۂ آغاز ہے تلاوتِ آیات اور اس کے ذریعے انذار و تبشیر' تذکیر و نصیحت اور دعوت و تبلیغ!

تزکیہ

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ کے بعد اب آگے چلئے! ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں بدقسمتی سے ہمارے ہاں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور یہ خیال عام ہے کہ قرآن مجید نے شاید تزکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا! بلاشبہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے طرزِ عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سوئے ظن میں مبتلا ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے قرآن حکیم سے بھی اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے بھی۔

تزکیے کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مرحلے پر اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ نوٹ کیجئے کہ تزکیہ کرنا انسان کا مطلوب ہے اور انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے اس کی فکر اور اس کی سوچ اور دوسری چیز ہے اس کا عمل اور اس کی روش یا اس کا وہ طرزِ عمل جو وہ زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل میں بُعد یا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ ایک مریض شخصیت قرار دیتے ہیں' اسے نارمل انسان نہیں قرار دیا جاتا' ورنہ ایک نارمل انسان ایک ناقابلِ تقسیم اکائی (integrated whole) ہوتا ہے' اس کا عمل اور اس کا رویّہ درحقیقت اس کے نظریات' اس کے افکار' اس کی سوچ اور اس کی فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سوچ غلط ہے'

نقطۂ نظر غلط ہے' قلوب و اذہان پر اگر غلط نظریات و افکار کا تسلط ہے تو ظاہر بات ہے کہ عمل از خود غلط ہو جائے گا۔ عمل کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے سوچ کو درست کیجئے' نقطۂ نظر کی اصلاح کیجئے' فکر کو صحیح بنیادوں پر استوار کیجئے' اسے صحیح اساس پر reconstruct کیجئے اور تب توقع رکھئے کہ اس کا عمل درست ہو گا اور صحیح خطوط پر استوار ہو گا۔ قرآن مجید کا طریق تزکیہ یہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں تزکیے کا ذکر دراصل ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ کے نتیجے کے طور پر آیا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کے ذریعے سے جب انسان کے فکر کی اصلاح ہو گئی' اس کے نظریات درست ہو گئے' الحاد و مشرکانہ اوہام کی جڑیں جب انسان کے ذہن اور اس کے قلب سے کٹ گئیں تو گویا اس طریقے سے غلط اعمال' غلط کردار اور غلط عادات کی جڑ بھی کٹ گئی۔ اس لئے کہ ان کے لئے اب غذا مہیا نہیں ہو رہی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط اعمال بالکل اس طرح سے انسانی سیرت سے علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح سے پت جھڑ کے موسم میں پتے درختوں سے گر جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے تزکیۂ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں وہ طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی رہی ہے کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدتِ فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دورِ خلافتِ راشدہ کا طرۂ امتیاز تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیۂ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدت فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی' مجروح ہوئی۔ چنانچہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لئے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیۂ باطن' تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریق نبویؐ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ تربیت اور اسلوبِ تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ پہلے اس

قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر کی جائے' نقطۂ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے' نتیجتاً غلط اعمال پت جھڑ کے پتوں کی طرح از خود جھڑ جائیں گے یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیہ کا عمل اور جان لیجئے کہ قرآن مجید ہی درحقیقت اس عمل تزکیہ کا بھی محور ہے۔ "تلاوتِ آیات" کی طرح تزکیے کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کئے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظرانداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے :

صوفی پشمینہ پوشِ حال مست
از شراب نغمہ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دِلش
در نمی سازد بقرآن محفلش

کہ اس عمل تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کٹتا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ ہو گیا کہ عراقی یا اس قبیل کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر اُن کی آنکھیں پُرنم نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے سے اندرونی کثافتوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا' وہ متروک ہوتا چلا گیا اور تزکیہ کا عمل جو درحقیقت براہِ راست نتیجہ تھا "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ" کا اسے اس کی اصل سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبال نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں اُن کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

کُشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

کہ ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے' اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے' دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیثِ نبویؐ کا ترجمہ یا ترجمانی ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ))

"بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے۔"

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے واقعتاً کسی نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضور! کیا آپؐ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں ہے، لیکن مَیں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ؏

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کر لو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ؏

کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات، غلط رجحانات، غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطۂ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا، تمہارے نقطۂ نظر کو درست کرے گا، اور تمہارے نظامِ اقدار (Value System) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ کہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبّے تمہاری شخصیت سے خود بخود دور ہوتے چلے جائیں گے اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہو سکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کر سکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس انقلابی عمل میں قرآن حکیم کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس کو بڑے ہی اجمال کے ساتھ مولانا حالی نے ان الفاظ

میں بیان کیا ہے کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقّہٗ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے وہ اِس دَور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے' اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے' اس کی سوچ' اس کا فکر اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں' اس کی اقدار' اس کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا کہ وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے' یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی اور اس طرح تمام غلط رویے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے' کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے

والی جڑیں اب کاٹی جا چکی ہیں۔

تعلیمِ کتاب

تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ "تعلیمِ کتاب" کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا :

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾

"اور وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی۔"

یہاں ایک بات نوٹ کر لینی چاہئے کہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے "تلاوتِ آیات" میں بھی پیش نظر قرآن ہے۔ لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیش نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف گوشوں یا مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "کتاب" بالعموم قانون کے لئے آتا ہے، مثلاً کسی چیز کے وجوب اور فرضیت کا بیان "کُتِبَ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ "تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا" ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ "تم پر قتال فرض کر دیا گیا"۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا اس کے الفاظ ہیں : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ..... ﴾ "تم پر واجب کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے وصیت کر جائے!" کہیں آتا ہے : ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ.... ﴾ "یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے"۔ تو لفظ "کتاب" کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہو گا۔ لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جا رہے ہوں تو "کتاب" سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لئے مختلف الفاظ آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا : ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اور یہاں

"تلاوتِ آیات" سے مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد ﴿ يُزَكِّيهِمْ ﴾ کے الفاظ میں تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر ﴿ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ میں جو لفظ "کتاب" دوبارہ آیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکامِ شریعت (DOs AND DON'Ts) ہیں، یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکامِ شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آچکی، دلوں کی دنیا میں ایمان جاگزیں اور راسخ ہو چکا اور بنیادی طور پر بُرے کردار اور بُرے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بار آور ہو گا، نتیجہ خیز ہو گا۔ زمین کو تیار کئے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ کا عمل کیا جا چکا اور تزکیے کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے، تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجئے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آگئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یک دم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا، ایمان کی بنیادوں کو استوار کیا، نتیجتاً بنیادی انسانی اخلاق پروان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا اور یہ بیج خوب بار آور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ رکھی، یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے نازل کرنے میں پیش نظر رکھی اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ ذہنی و قلبی تربیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تأمل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کو کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجئے کہ شراب جیسی چیز جسے طبّی دنیا میں بھی "habit making" مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا دفعتاً چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے' جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی گھٹّی میں شراب تھی' جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج آپ کو مغربی تہذیب میں نظر آتا ہے کہ پانی تو پانی ہے' لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزو لاینفک تھی' شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں' شراب ان کی گھٹّی میں پڑی تھی' لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا' اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔

احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ﴾ انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جہاں تمام اعمال کی جوابدہی ہو گی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بناء پر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ ﴿ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ تو جواب صرف یہ دیا گیا : ﴿ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور

سُود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمد (ﷺ) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں' تو اب اس کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ شراب نوشی کے نقصانات گنوائے گئے' بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں' کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمّہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے بڑے راز اگلوا کر لے گئیں۔ لیکن اس طرح کے متعدد حقائق بیان کرنے اور پورے اعداد و شمار مہیّا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار' یہ سارا فلسفہ اور سارے طبّی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے اور ع "چُھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حلّت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کے process میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتابِ الٰہی کی تلاوت آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیۂ نفوس کے بعد تعلیم کتاب یعنی احکامِ شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب اوامر و نواہی' حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کا آخری مرحلہ "تعلیمِ حکمت" کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ "حکمت" کا لفظ اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ اُس مقام پر لفظ "حکمت" پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں "ح ک م" کا مادہ بنیادی طور پر کسی شے کی پختگی اور استحکام کے لئے آتا ہے۔ حکمتِ انسانی عقل اور شعور کی پختگی

ہے۔ انسان کے اندر غور و فکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (mature) ہو جانا اور اس میں اصابت رائے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیتِ انسانی کے نقطۂ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "فلسفۂ تاریخ" کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی' فلاں تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب و ہوا کیا ہے' وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبیعی جغرافیہ (Physical Geography) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیّر و تبدّل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ "کیوں اور کیسے؟" ہر گوشۂ علم میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پا کر وہ پختگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے "کیوں اور کیسے" کو سمجھ سکے تو یہ "حکمت" ہے۔ فاتح دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب "حُجَّةُ اللّٰهِ البالِغة" کا موضوع یہی حکمت دین ہے کہ احکامِ شریعت میں کیا حکمتیں ہیں' ان کے کیا مقاصد ہیں۔

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی ہے۔ "سمع و طاعت" اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?
Theirs but to do die!

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرت باطنی اور enlightment پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے' اس کی حکمتیں کیا ہیں' اس کی غرض کیا ہے' اس کی علت کیا ہے' اس کی مصلحتیں کیا ہیں! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظامِ اجتماعی

کے اپنے مصالح کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامر و نواہی طبیعت کے لئے کسی ناگوار کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے' بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے : ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ..... ﴾ یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اُس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پُر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ "صراطِ مستقیم" عطا فرمادی اور ایک متوازن اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعامِ خداوندی ہے' اور اس نعمت کا اتمام ہوا ہے محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر۔ سورۃ البقرہ میں اس "حکمت" کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ﴾ کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیرِ کثیر سے نواز دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے اور اللہ کا اُس شخص پر بہت ہی بڑا احسان ہے جسے اُس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے "اسرارِ دین" سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کُن!
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کُن!

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبۂ کمال اور نقطۂ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحہ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لائیے : (۱) یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ (۲) وَیُزَکِّیْهِمْ (۳) وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ (۴) وَالْحِکْمَةَ ـــــ اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بتدریج کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان ہے جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر کیجئے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں، اس کے صبح و شام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور ذہن کا جائزہ لیجئے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی "برٹرینڈ رسل" تو نہیں ہے، وہاں کوئی "ساخت" اور اس کا فلسفہ موجودیت تو مسلط نہیں ہے، کہیں کسی "فرائیڈ" کے نظریات نے تو اس پر تسلط حاصل نہیں کر لیا، کہیں کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور دل پر مستولی ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا نہیں کر سکتے، آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نورِ ایمان، اللہ کا یقین، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین اور وحی و رسالت کا یقین پیدا نہیں کر سکتے، تو جان لیجئے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے، لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلاّ اللہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلّط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزے کی گنجائش ہی نہیں۔

اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحبِ ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو مانتا ہو، اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہو گا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہِ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر "تلاوتِ آیات" کے ذریعے

اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بُری عادتیں خود بخود بدل جائیں گی اور سب بُری لتوں سے وہ خود بخود آزاد ہوتا چلا جائے گا اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ دردِ سر مول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جڑیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خود بخود خشک ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم' اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہو گا' بلکہ فطری ہو گا۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہے تو اسے مرتبۂ حکمت تک پہنچایئے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں ٹھہراؤ' تمکن اور دوام حاصل ہو گا۔ اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہر بات ہے کہ حکمت کا یہ مقام کچھ نرالا ہی مقام ہے۔ یہاں انسان گویا کہ اپنی بصیرتِ باطنی سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مقدم ہے' کیا مؤخر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع کی۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹامک ٹوئیے نہیں مار رہا ہوتا' بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبۂ حکمت' کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوعِ بشر کا ہے بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعۂ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (individual) ہی کی طرح کا رویّہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ قوّتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک "ذہین اقلیت" اس پورے مجموعۂ افراد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے' یہ طاقت ہاتھ میں ہے' لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے' اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں چل سکتے ہیں' لیکن چلیں نہ چلیں' اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوعِ انسانی کے ایک فرد میں ہاتھ پاؤں

اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں' لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجئے کہ کسی قوم' کسی معاشرے' کسی سوسائٹی' کسی کمیونٹی یا کسی ہیئتِ اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (intellectual minority) یا intelligentsia ہوتی ہے' جسے آپ brain trust سے تعبیر کر سکتے ہیں' اس پوری ہیئتِ اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں' لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے' اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فرد بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں اور معاشرے کے رخ کا تعیّن کرتے ہیں۔ باقی عوام الناس اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رخ کر لیں گے پورا معاشرہ اُدھر رخ کر لے گا' بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں' کسی قوم یا ہیئتِ اجتماعیہ کو اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہئے کہ کسی جگہ پر بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کے طریق انقلاب پر اساسی منہاج یہی ہوگا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجئے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں convert کر لیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیوکلیئس پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدار کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا ہوگا' نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک "dogma" کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور brain trust کے تبدیلی قبول کرنے سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کر لے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت کرتے رہئے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رجوع عام بھی ہو جائے' تبدیلی برپا نہیں ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چھوٹی سی مثال پر غور کر لیجئے کہ ہمارے ہاں کسی زمانے میں ترقی پسند ادیبوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ اصطلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ "استحصال" جیسا بھاری

بھر کم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں آئے گا' اس لئے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور و فکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس "ذہین اقلیت" نے ایک فلسفے کو قبول کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو ban کر سکتے ہیں' لیکن فکر پر کوئی قدغنیں عائد نہیں کی جا سکتیں' فکر کے لئے کسی پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے معدوم ہو گئے ہیں آپ کسی ملک یا خطۂ زمین کو محفوظ خِطّہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' تو انسان بدلے گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لئے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے فکری بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیّا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر مبنی ہے۔ ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اس ضمن میں بعض لوگوں کو مغالطہ اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑائیے' اس وقت اشتراکی نظام روئے ارضی کے کتنے بڑے حصّے پر قائم ہے۔ پورے مشرقی یورپ' پورے شمالی ایشیا' بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصّے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ لگائیے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مارکس کے بارے میں کہا تھا ع

"نیست پیغمبر ولیکن دربغل دارد کتاب"

اس کی بغل میں "کتاب" تھی' اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو' کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز ہیں۔ تو ذرا سوچئے کہ ایک انسان کی کاوش' اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف approach درست ہو' اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو' اس کتاب سے واقعتاً وہ کام لیا جائے کہ جس کے لئے وہ نازل کی گئی ہے' جس کے لئے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ جس کے ذریعے سے افراد بدلے' ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدّوجُہد سے گزر کر انقلابِ محمد ﷺ کی عملی تکمیل فرما دی۔

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ورضي الله عنهم ورضوا عنه
وآخر دعوانا ان الحمد لله ربِّ العالمين OO

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

عظمت قرآن

بزبانِ قرآن و صاحبِ قرآن

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

٣٦۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور' ٥٤٧٠٠۔ فون : ٣۔٥٨٦٩٥٠١

ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۶)

مکّی دَور' ابتلاء کی انتہاء اور ہجرتِ مدینہ

نحمدہٗ ونُصَلّی علٰی رسولہِ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝ ﴾ (بنی اسراء یل : ۸۰)

"اور (اے نبیؐ) دعا کرو کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچّائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچّائی کے ساتھ نکال' اور اپنی طرف سے مجھے غلبہ عطا فرما اور اس کو میرا مددگار بنا دے۔"

گزشتہ نشست میں ہم نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مکّی دَور کے تذکرے کے ضمن میں عام الحُزن تک پہنچ گئے تھے' یعنی نبوّت کا دسواں سال جس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا اور ابو طالب کی بھی وفات ہو گئی۔ نتیجتاً سردارانِ قریش کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور دار الندوہ میں نبی اکرم ﷺ کے قتل کے مشورے شروع ہو گئے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فطری طور پر اِدھر اُدھر دیکھا کہ مکّے کے سوا کوئی اور جگہ کون سی ہو سکتی ہے جسے آپؐ اپنی دعوت کے لئے مرکز اور Base کی حیثیت سے استعمال کر سکیں۔ مکّے سے قریب ترین طائف ہے۔ چنانچہ ایک امید لے کر نبی اکرم ﷺ نے طائف کا سفر اختیار کیا۔ یہ سفر انتہائی کسمپرسی کے عالم میں ہوا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے ساتھ وہ بھی موجود نہیں جو پوری زندگی سائے کی طرح ساتھ رہے' یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپؐ کی رفاقت میں صرف آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ

ﷺ ہیں۔ پھر عام راستہ چھوڑ کر انتہائی دشوار گزار راستہ اختیار کیا گیا' اس لئے کہ اندیشہ تھا کہ کہیں مڈھ بھیڑ نہ ہو۔

آپؐ طائف پہنچے۔ وہاں کے تین سرداروں سے ملاقات کی' اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ اگر اُن میں سے کسی کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرمادے تو کیا عجب کہ طائف کا یہ شہر اِس انقلابی دعوت کا مرکز اور Base بن جائے۔ لیکن جو صورتِ حال سامنے آتی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ بیان کرتے ہوئے بھی دل شق ہوتا ہے اور سننے کے لئے بھی بڑے جگر کی ضرورت ہے۔ تینوں نے اس قدر تمسخر آمیز اور تحقیر آمیز انداز اختیار کیا کہ پچھلے پورے دس سال کے دوران محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا معاملہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر اللہ نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ گویا خود کعبے کے پردے چاک کر رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ میں تم سے بات بھی کرنے کے لئے تیار نہیں' اس لئے کہ اگر تم سچے ہو اور واقعتاً رسول ہو تو ہو سکتا ہے کہ میں کہیں توہین کا مرتکب ہو جاؤں اور میں عذابِ خداوندی کا نوالہ بن جاؤں' اور اگر تم جھوٹے ہو تو جھوٹے اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں منہ لگایا جائے۔ کسی نے بڑے ہی تمسخر اور تحقیر کے ساتھ کہا کہ کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور شخص نبوّت و رسالت کے لئے نہیں ملتا تھا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں' جب حضور ﷺ بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو انہوں نے کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا۔ چنانچہ اوباش لوگ حضور ﷺ کے گرد ہو گئے۔ پھر وہ نقشہ جما ہے اس کرۂ ارضی پر کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں' محبوبِ ربّ العالمین' سید الاولین والآخرین اور آپؐ کے گرد کچھ اوباش لوگ ہیں' جو پتھراؤ کر رہے ہیں۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے' تالیاں پیٹی جا رہی ہیں' حضور ﷺ کا جسمِ مبارک لہولہان ہو گیا ہے' نعلین مبارک خون سے بھر گئی ہیں۔ ایک موقع پر حضور ﷺ ضعف کی وجہ سے ذرا بیٹھ گئے تو دو غنڈے آگے بڑھتے ہیں' ایک ایک بغل میں ہاتھ ڈالتا ہے' دوسرا دوسری میں اور اٹھا کر کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر ذاتی اعتبار سے ابتلاء اور امتحان کا نقطۂ عروج (Climax) ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ جب واپس آئے تو وہ دعا آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلی ہے جس کو پڑھتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا

ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ

"اے اللہ کہاں جاؤں' کہاں فریاد کروں۔ تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں' تجھی سے شکوہ کرتا ہوں' اپنی قوت کی کمی کا' اپنے ذرائع و وسائل کی کمی کا اور لوگوں میں جو یہ رسوائی ہو رہی ہے اس کا۔"

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَجْھَمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ؟

"اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟"

لیکن اس کے ساتھ ہی بارگاہِ خداوندی میں وہ عبدِ کامل عرض کرتا ہے :

اِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ

"پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے' اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں۔"

ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

"پروردگار! میں تو تیرے ہی روئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں۔"

یہ ہے وہ دعا جس کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ : ع اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید!

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ فوراً ملک الجبال حاضر ہوتا ہے' وہ فرشتہ کہ جو پہاڑوں پر مامور ہے' اور عرض کرتا ہے کہ حضور ﷺ! اللہ نے مجھے آپؐ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپؐ حکم دیں تو میں ان پہاڑوں کو ٹکرا دوں جن کے مابین وادی میں یہ طائف کا شہر واقع ہے' تاکہ اس کے رہنے والے پس کر سرمہ بن جائیں۔ اس پر رحمۃٌ لِّلعالمین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں لوگوں کے عذاب کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ اگرچہ یہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لا رہے' لیکن کیا عجب کہ ان کی آئندہ نسلوں کو اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرمائے"۔ اور ہمارے لئے یہ بات بڑی قابلِ توجہ ہے کہ سرزمینِ پاک و ہند پر اسلام

کی ہدایت کا سورج جو پہلی مرتبہ طلوع ہوا تو اس کے لانے والے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ثقفی تھے، بنو ثقیف کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جو طائف ہی کا ایک قبیلہ تھا۔

بہرحال نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں یومِ طائف ایک Turning Point ہے، ایک اعتبار سے شدید ترین دن ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپؐ پر یومِ اُحد سے زیادہ سخت دن بھی کوئی گزرا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا : ہاں، طائف کا دن مجھ پر اس سے کہیں زیادہ سخت تھا ـــــ لیکن جیسے کہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بہت ہی عمدہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دن Turning Point ہے حضور ﷺ کی زندگی میں۔ آج کے دن تک گویا کہ اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو دشمنوں کے حوالے کیا ہوا تھا کہ جس طرح چاہو آپؐ کے صبر کا امتحان لے لو، جس طرح چاہو آپؐ کی استقامت کو جانچ لو، ہمارے اس نبیؐ کی سیرت و کردار کا لوہا خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لو کہ اس میں کہیں کھوٹ تو نہیں، تمہیں پوری چھوٹ ہے۔

لیکن اس دن کے بعد اب نصرتِ خداوندی کا ظہور شروع ہوتا ہے۔ فوری طور پر تو ملک الجبال کی حاضری ہے، لیکن اصل ظہور ہوتا ہے مکّہ واپسی کے بعد۔ اب ٹھنڈی ہوائیں آنے لگیں۔ ایک راستہ خود بخود رحمتِ خداوندی سے کھلتا ہے۔ ۱۰ نبوی ہی کے ماہ رجب میں نبی اکرم ﷺ کی ملاقات چھ افراد سے ہوتی ہے جو مدینے سے آئے ہوئے تھے اور یہ چھ اشخاص حضور ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ منیٰ کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جہاں یہ ملاقات ہوئی۔ اگلے سال ۱۱ نبوی میں پھر یہ لوگ آتے ہیں اور بارہ افراد حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ یہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ کہلاتی ہے۔ اور پھر وہ درخواست کرتے ہیں کہ حضور ﷺ! ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیجئے جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ اس لئے کہ آپؐ کی دعوت اور آپؐ کی تربیت و تزکیہ کا مرکز و محور قرآن حکیم ہی تھا۔ چنانچہ ع قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند! قرعہ فال نکلا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام۔ حضور ﷺ انہیں مدینہ منورہ بھیجتے ہیں۔ وہ حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر جا کر قیام کرتے ہیں اور مدینہ منورہ میں شب و روز دعوتِ قرآنی کو پھیلا رہے ہیں۔

حضرت مصعب بن عمیر اپنی ایک سال کی محنت کا حاصل ۱۲ نبوی میں ۷۵ افراد کو لا

کر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں' جن میں ۷۲ مرد ہیں اور تین عورتیں۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ ہوتی ہے' جو تمہید ہے ہجرت کی۔ اس موقع پر کچھ تقاریر بھی ہوئی ہیں۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے' انہوں نے انصارِ مدینہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ لوگو! اس بات کو جان لو کہ محمد (ﷺ) ہمیں بہت عزیز ہیں' ہمارے لئے انتہائی محترم ہیں' ہماری آنکھوں کا تارا ہیں' اب تک ہم نے ان کی پوری حفاظت کی ہے (چونکہ بنی ہاشم نے نبی اکرم ﷺ کی حمایت جاری رکھی تھی) اب اگر تم انہیں اپنے ہاں لے کر جانا چاہتے ہو تو جان لو کہ تمہیں ان کی حفاظت اپنے اہل و عیال سے بڑھ کر کرنی ہوگی' اور اگر اس کی ہمت نہیں پاتے تو ابھی جواب دے دو۔ لیکن انصارِ مدینہ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا تن من دھن نچھاور کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ ہمارے ساتھ مدینے تشریف لے جائیں تو ہم ان کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے کہ اپنے اہل و عیال کی کیا کرتے ہیں۔ اُس وقت وہی حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور وہ بھی انصارِ مدینہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ لوگو! اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری قبول کر رہے ہو۔ محمد (ﷺ) کو دعوت دینا اور ساتھ لے کر جانا سرخ و سیاہ آندھیوں کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا وہ اندھیرے میں نہیں ہوا' پوری طرح سمجھ کر ہوا' پوری حقیقت کو جاننے کے ساتھ ہوا' جو ذمہ داری انصارِ مدینہ نے سنبھالی اور اٹھائی اُس کو پورے طور پر سمجھ کر' اس کے نتائج و عواقب پر نگاہ رکھ کر اُٹھائی۔ بہرحال ۱۲ نبوی میں جو بیعتِ عقبہ ثانیہ ہوئی یہ ہجرت کی تمہید بن گئی۔

نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ مدینے کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ ہجرت کر گئے۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ رسول اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا' وہ اپنے مستقر کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے واضح اجازت نہ آجائے ـــــ بالآخر وہ وقت آیا کہ اجازت آگئی اور نبی اکرم ﷺ اپنے اس انتہائی گہرے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو یارِ غار اور رفیقِ راہ ہیں' کی معیت میں مکّے سے ہجرت فرما کر مدینے کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ زبان مبارک پر وہ دعا ہے جو سورۂ

بنی اسرائیل میں گویا کہ اسی ہجرت کی تمہید کے طور پر آپؐ کو تلقین فرمادی گئی تھی :

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝ ﴾ (بنی اسراءیل : ۸۰)

"پروردگار! مجھے جہاں داخل فرمارہا ہے وہ صدق وصداقت اور راستی کا داخلہ ہو' اور جہاں سے تو مجھے نکال رہا ہے وہاں سے میرا یہ نکلنا بھی راست بازی اور صدق پر مبنی ہو۔ اور اے رب! مجھے اپنے خاص خزانۂ فضل سے وہ غلبہ اور قوت و اقتدار عطا فرما جو اِس مشن میں میرا ممدّ و معاون ہو جو تُو نے میرے حوالے کیا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آنحضور ﷺ تین روز تک غارِ ثور میں چھپے رہے ہیں۔ اس وقت وہ مرحلہ بھی آیا ہے کہ کھوجی بالکل اس کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے لئے نہیں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اندیشہ ناک ہو کر گھبرائے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ حضور! اگر ان میں سے کسی نے غیر ارادی طور پر بھی اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈال لی تو ہم دیکھ لئے جائیں گے' ہم پکڑے جائیں گے' لیکن وہ کوہِ صبر و ثبات و استقامت (ﷺ) جس کو اللہ کی ذات پر یقینِ کامل حاصل تھا' معیّتِ خداوندی جس کی قوت کا اصل راز تھی' وہ فرماتا ہے :

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾

"گھبراؤ نہیں (کسی رنج و غم کا کوئی موقع نہیں ہے) اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

وہ ہمارا رفیق اور ہمارا مددگار ہے۔

بہرحال یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے نتیجے میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جِدّوجُہد ایک بالکل نئے دور میں داخل ہو گئی۔ اگر جدید انقلابی اصطلاحات کو استعمال کیا جائے تو Passive Resistance کا دَور ختم ہوا' اب ایک Active Resistance کا دَور شروع ہو رہا ہے۔ اب تک حکم تھا کہ ہاتھ بندھے رکھو' ماریں کھاؤ' لیکن جھیلو' صبر کرو اور برداشت کرو' reteliate کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا : ﴿ كُفُّوْا اَیْدِیَكُمْ ﴾ اپنے ہاتھ بندھے رکھو۔ تمہیں دیکھتے

ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے تو پھر بھی تمہیں اجازت نہیں کہ مدافعت میں بھی اپنا ہاتھ اٹھا سکو، تمہیں ہلاک کر دیا جائے، شہید کر دیا جائے، تمہیں اجازت نہیں کہ اپنی مدافعت میں ہاتھ اٹھا سکو۔ لیکن اب وہ ہاتھ کھول دیئے گئے۔

سورۃ الحج کی یہ آیت مبارکہ اس مرحلہ پر نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے :

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾

"اجازت دے دی گئی ان کو (جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے)، جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں (ان کے لئے آج سے اجازت ہے کہ وہ بھی اب جواب دیں، اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا وعدہ ہے) اور یقیناً اللہ اُن کی مدد پر قادر ہے۔"

﴿ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ ﴾

"وہ لوگ اپنے گھروں سے ناجائز نکالے گئے، صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے"۔

ان کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے خدائے واحد پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ آج ان کو اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ بھی نہ صرف مدافعت میں ہاتھ اٹھائیں بلکہ کفر کے استیصال کے لئے اقدام کریں ـــــ بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ

فَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ○ ○

اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج اور لوازم پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہج انقلاب نبویؐ

سیرت النبیؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

شائع کردہ : **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن**

قرآن حکیم کی چند بنیادی اخلاقی تعلیمات
آیۂ برّ کی روشنی میں

—— تحریر : عارفین بشیر ——

(دوسری قسط)

○ ایفاءِ عہد

نیکی کی بحث میں جس دوسری اخلاقی صفت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایفاءِ عہد ہے۔ تمام انسانی معاملات معاہدوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ معاہدے یا تو باضابطہ کئے جاتے ہیں یا implied معاہدے ہوتے ہیں۔ عام طور پر عہد کے معنیٰ قول و قرار کے سمجھے جاتے ہیں' لیکن اسلام کی نگاہ میں اس کی حقیقت بہت وسیع ہے۔ وہ اخلاق' معاشرت' مذہب اور معاملات کی تمام صورتوں پر مشتمل ہے جن کی پابندی انسان پر عقلاً' شرعاً' قانوناً اور اخلاقاً فرض ہے۔ اس لحاظ سے یہ مختصر سا لفظ انسان کے بہت سے عقلی' شرعی' قانونی' اخلاقی اور معاشرتی فضائل کا مجموعہ ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں بار بار اس کا ذکر آیا ہے۔

قول و قرار اور عہد و پیمان کے لئے قرآن مجید میں کئی الفاظ مذکور ہیں۔

عہد : قرآن حکیم اہل ایمان کی ایک اہم صفت عہد کی پاسداری بیان کرتا ہے۔

﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ ﴾ (البقرۃ : ۱۷۷)

"اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں"۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ ﴾

(المؤمنون : ۸' المعارج : ۳۲)

"اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں"۔

قرآن حکیم میں عہد کو پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ﴾

(الانعام: ۱۵۳)

"اور جب بات کہو تو حق کی کہو' اگرچہ وہ اپنا قریبی ہی ہو' اور اللہ کا عہد پورا کرو"۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ.... ﴾ (النحل: ۹۱)

"اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو...."

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾ (بنی اسراءیل: ۳۴)

"اور پورا کرو عہد کو' بے شک عہد کی پوچھ گچھ ہوگی"۔

عہد کی مسئولیت کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۱۵)

"اور اللہ کے قرار کی پوچھ گچھ ہوتی ہے"۔

عقد: عقد کے لفظی معنی گرہ اور گرہ لگانے کے ہیں۔ اور اس سے مقصود لین دین اور معاملات کی باہمی پابندیوں کی گرہ ہے۔ اور اصلاحِ شرع میں یہ لفظ معاملات کی ہر قسم کو شامل ہے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ ﴾ (المائدۃ: ۱)

"اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو"۔

سورۃ النساء میں احکامِ وراثت کے ضمن میں فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ ﴾ (النساء: ۳۳)

"اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا' ان کو دے دو ان کا حصّہ۔ بے شک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز"۔

میثاق: یہ لفظ قرآن مجید میں مضبوط عہد و پیمان کے لئے آیا ہے جو افراد یا قوموں کے مابین ہوئے یا اللہ اور اقوام یا اللہ اور انبیاء کے درمیان ہوئے ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ ﴾ (المائدۃ: ۷)

"اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر' اور عہد اس کا جو تم سے ٹھہرایا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مانا"۔

اولوالالباب کی صفات کے ضمن میں فرمایا :

﴿ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ ﴾ (الرعد: ۲۰)

"وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو"۔

بنی اسرائیل پر "نقضِ میثاق" کے باعث لعنت کی گئی۔

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ ﴾

"سو اُن کے عہد توڑنے پر ہم نے ان پر لعنت کی اور کر دیا ہم نے ان کے دلوں کو سخت۔"

اَیمان : اس کے لفظی معنی قسم کے ہیں۔ قسم قول و قرار' شہادت اور عہد و پیمان کی بنیاد ہے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کو اپنی قسموں کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ ﴾ (المائدۃ : ۸۹)

"اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی"۔

قسموں کو باندھنے کے بعد توڑنے سے منع فرمایا :

﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا.... ﴾ (النحل : ۹۱)

"اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد"۔

قسموں کو توڑنے کے بعد اللہ مؤاخذہ کرتا ہے۔

﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ ﴾ (المائدۃ: ۸۹)

"لیکن پکڑتا ہے اُس پر جس قسم کو تم نے مضبوط باندھا"۔

وعدہ : عہد و پیمان کے لئے قرآن حکیم کی وسیع الاستعمال اصطلاح وعدہ ہے۔ انبیاء ہمیشہ اپنے وعدوں کو ایفاء کرتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں خاص طور پر فرمایا :

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ ﴾ (مریم: ۵۴)

"اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل کا' وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی"۔

اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔

﴿ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ ﴾ (النساء: ۱۲۲)

"وعدہ ہے اللہ کا سچا اور اللہ سے سچا کون ہے؟"

﴿ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ (یونس : ۵۵' الروم : ۶۰' لقمان : ۳۳' فاطر : ۵' غافر : ۷۷' الجاثیہ : ۳۲)

"وعدہ اللہ کا سچا ہے"۔

شیطان کا وعدہ جھوٹا ہوتا ہے۔

﴿ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (النساء : ۱۲۰' الاسراء : ۶۴)

"اور جو کچھ وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان سو سب فریب ہے"۔

بیعت : یہ لفظ قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخصوص مواقع پر مضبوط عہد کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے بیعت رضوان کے بارے میں فرمایا :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ ﴾

(الفتح:۱۰)

"جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔

اصحابِ بیعت رضوان کو خوش خبری سناتے ہوئے فرمایا :

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ..... ﴾

(الفتح: ۱۸)

"یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے خوش ہو گیا' جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے"۔

ایک اور موقع پر جب مؤمن خواتین رسول اللہ ﷺ سے چند معاملات پر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو رسول اللہؐ کو حکم دیا گیا :

﴿ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

(الممتحنة: ۱۲)

"تو اُن کو بیعت کر لے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے' بے شک اللہ بخشنے

والا مہربان ہے"۔

محولہ بالا متعدد آیاتِ قرآنی سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں :

۱) اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عہد و پیمان کو پورا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے' چاہے یہ عہد خالق و مخلوق کے درمیان ہو یا مخلوق کے اپنے مابین۔

۲) آخرت میں اللہ تعالیٰ وعدوں کی پاسداری کے بارے میں خصوصی طور پر سوال کرے گا۔

۳) جو لوگ وعدہ پورا کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کے انعامات کی خوشخبری سناتا ہے۔ اس کے برعکس عہد توڑنے پر مؤاخذہ ہوگا اور سزا ملے گی۔

۴) جو قوم مستقلاً "نقضِ میثاق" کی روش اختیار کرتی ہے وہ اللہ کی لعنت کی مستحق بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم سے ہدایت کی صلاحیت سلب کرلیتا ہے۔

۵) اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر وعدے کو ایفاء کرنے والا ہے۔

۶) انبیاء اور مؤمنین صادقین کی شخصیت کا لازمی وصف ایفاءِ عہد ہے۔ وہ اپنے وعدوں کی پاسداری کا پورا پورا خیال کرتے ہیں۔

۷) شیطان انسان کے ساتھ وعدے کرتا رہتا ہے اور اسے مختلف قسم کی امیدیں دلاتا ہے' مگر اس کے تمام وعدے جھوٹے اور دھوکے پر مبنی ہوتے ہیں' جن کے ذریعے وہ انسان کو ورغلاتا ہے اور گمراہ کرتا ہے۔

عہد و پیمان کی کئی سطحیں ہیں

۱۔ سب سے پہلے انسان پر اس عہد کو پورا کرنا واجب ہے جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے۔ یہ عہد ایک تو وہ فطری معاہدہ ہے جو روزِ الست کو بندوں نے اپنے خدا سے باندھا اور جس کا پورا کرنا ان کی زندگی کا پہلا فرض ہے۔

۲۔ دوسرا وہ عہد ہے جو خدا کا نام لے کر کسی سے بیعت اور اقرار کی صورت میں کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرا وہ عہد ہے جو عام طور پر قول و قرار کی شکل میں بندوں کے مابین ہوا کرتا ہے۔

۴۔ اور چوتھا وہ جو اہلِ حقوق کے درمیان فطرتاً ہوتا ہے۔

ایفاءِ عہد کے بغیر کوئی بھی معاشرہ عدل و انصاف پر قائم نہیں رہ سکتا۔ حکومت اور عوام یا معاشرے کے افراد کے درمیان طے پانے والے معاہدے چاہے وہ کسی بھی نوعیت کے ہوں' ان کے ایفاء ہی سے سماجی اکائیوں اور معاشرتی اداروں کا باہمی اعتماد بحال رہتا ہے۔ اگر معاشرے کے معتدبہ افراد میں ایفاءِ عہد کا مادہ پیدا ہو جائے تو تمام انسانی معاملات کی Stream lining ہو جائے۔

○ صبر

آیۂ بِرّ میں اخلاقِ حسنہ کے ضمن میں تیسرا وصف "صبر" بیان ہوا ہے۔ اس مقام پر صبر کے تین مواقع تنگ دستی' بیماری اور جنگ کا ذکر ہوا ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ انسان کا عزم اُن راہوں سے آزمائش میں پڑ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان تینوں حالتوں کے اندر اپنے موقف حق پر ثابت قدم رہنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے برو تقویٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔ صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں' یعنی نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ ثابت قدم رکھنا اور اس کی حقیقت ہے حبس نفس علی مکرہ یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا' آپے سے باہر نہ ہونا' اور وہ ناگوار امر خواہ کچھ ہو۔ اور اس کا اصل ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنے طے کردہ راستے پر گامزن رہے اور اس سے اسے نہ کوئی تکلیف یا مصیبت ہٹا سکے نہ لالچ و حرص۔

قرآن مجید میں صبر کا لفظ اصلاً اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے اسلوبِ بیان کی بدولت اس کے اندر ایک معنوی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن حکیم نے اس کو اتنے مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے کہ مؤمن کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ صبر کے احاطہ سے باہر رہا ہو۔ قرآن حکیم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ صبر انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیت کا لازمی وصف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے مشن کو صبر و ثبات کے ساتھ جاری رکھنے کی تاکید کرتا ہے' اگرچہ اس کے دوران کیسے ہی مصائب کیوں نہ آئیں' حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں سید المرسلین محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم

میں کئی بار صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ مثلاً جب نبی اکرم ﷺ کو ابتداءً انذار و تکبیر رب کا حکم دیا گیا تو اللہ سبحانہ نے فرمایا :

﴿ يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ○ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ○ ﴾

(المدثر : ۱-۶)

"اے لحاف میں لپٹنے والے! کھڑا ہو' پھر ڈر سنا دے' اور اپنے رب کی بڑائی بول۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور گندگی سے دُور رہ۔ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ چاہے۔ اور اپنے رب کی امید رکھ۔"

جب نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے دَوران پیش آنے والی رکاوٹوں کی بدولت کچھ تعجیل کا مظاہرہ کیا تو فرمایا :

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾

(الاحقاف : ۳۵)

"سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے رسول اور جلدی نہ کر اُن کے معاملے میں"۔

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ (القلم : ۴۸)

"اب تُو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم سے اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا"۔

کفار و مشرکین کی زبان درازیوں کے علی الرغم فرمایا :

﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ (طٰہٰ : ۱۳۰' ق : ۳۹)

"سو تُو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتا رہ خوبیاں اپنے رب کی"۔

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيْلاً○ ﴾

(المزمل : ۱۰)

"اور سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور چھوڑ دے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا"۔

اسی طرح فرمایا :

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

مِمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ (النحل : ۱۲۷)

"اور صبر کر' اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ نہ ہو ان کے فریب سے"۔

﴿ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ (المعارج : ۵)

"سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا"۔

اسی طرح تمام انبیاء نے ہمیشہ صبر و استقامت کا ثبوت دیا

﴿ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا.... ﴾ (الانعام : ۳۴)

"پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر... "

﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء : ۸۵)

"اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب ہیں صبر والے"۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادرانِ یوسف کے بیان کے جواب میں فرمایا :

﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ ﴾

(یوسف : ۱۸)

"بولا کوئی نہیں' بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات' اب صبر ہی بہتر ہے۔"

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید بیان کرتا ہے :

﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۝ ﴾ (صٓ : ۴۴)

"ہم نے اس کو پایا جھیلنے والا بہت خوب بندہ۔ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا"۔

اہلِ ایمان کا ایک اہم وصف صبر ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اس کی خصوصی نصیحت کی :

﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (لقمٰن : ۱۷)

"اور سکھلا بھلی بات اور منع کر برائی سے اور تحمل کر جو تجھ پر پڑے' بے شک یہ ہیں ہمت کے کام۔"

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو صبر و استقامت کا حکم دیا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۲۰۰)

"اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو' تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو"۔

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (الانفال : ۴۶)

"اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو' پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ اور صبر کرو' بے شک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے"۔

قرآن حکیم دیگر صفات کے ساتھ مقربین کے وصف صبر کو بھی بیان کرتا ہے :

﴿ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ.... ﴾ (آل عمران : ۱۷)

"وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے اور حکم بجالانے والے...."

﴿ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ.... ﴾

(الاحزاب : ۳۵)

"اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں...."

﴿ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ ﴾

(الحج : ۳۵)

"وہ کہ جب نام لیا جائے اللہ کا ڈر جائیں ان کے دل اور سہنے والے اس کو جو آن پر پڑے...."

صبر سے اطاعت پر جمے رہنے اور حق پر ڈٹے رہنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعے استعانت کی تاکید کی گئی۔

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة : ۱۵۳)

"اے مسلمانو! مدد لو ساتھ صبر اور نماز کے' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے"۔

اہل ایمان ابتلاء و آزمائش کی گھڑی میں صبر و استقامت کی دعائیں کرتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت طالوت کی قلیل فوج کا جالوت کے لشکر جرار سے آمنا سامنا ہوا تو اہل ایمان نے یہ دعا کی :

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا.... ﴾ (البقرۃ : ۲۵۰)

"اے رب ہمارے! ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں...."

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے جادوگروں کو جب فرعون نے قتل کر دینے کی دھمکی دی تو اُن کی دعا یہ تھی :

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ۱۲۶)

"اے ہمارے رب! دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان۔"

اہل ایمان ایک دوسرے کو اطاعت و اتباع، دعوت و تبلیغ اور غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں باہم صبر و استقامت کی تاکید کرتے ہیں۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (العصر : ۳)

"مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی"۔

﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴾ (البلد : ۱۷)

"پھر ہو چلے ایمان والوں میں جو تاکید کرتے ہیں آپس میں تحمل کی اور تاکید کرتے ہیں رحم کھانے کی۔"

اللہ تعالیٰ غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والے افراد کے صبر کو جانچتا ہے۔ کامیابی انہی افراد کے حصے میں آتی ہے جو صبر و ثبات کے الٰہی معیار پر پورا اترتے ہیں"۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۴۲)

"کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں؟ اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو"۔

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ . . . ﴾

(محمد : ۳۱)

"اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تاکہ معلوم کرلیں جو تم میں لڑائی کرنے والے ہیں اور قائم رہنے والے ہیں۔"

صبر صرف انفرادی سطح پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر بھی مطلوب وصف ہے۔ اس کی موجودگی سے کسی جمعیت کی قوت و استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ جس میں جس قدر یہ قوت زیادہ ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کا مقام متعین ہوگا۔

﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . ﴾ (الانفال : ۶۵)

"اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو (کافروں) پر، اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر . . . ."

صبر و استقامت دنیوی اور اُخروی دونوں اعتبار سے فوز و فلاح کا باعث ہے۔ دنیا میں بنی اسرائیل کو کامیابی صبر کی بنیاد پر حاصل ہوئی۔

﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ ﴾ (الاعراف : ۱۳۷)

"اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کا جس میں برکت رکھی ہے ہم نے۔ اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے"۔

اسی طرح فرمایا :

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ ﴾ (السجدۃ : ۲۴)

"اور پیدا کئے ہم نے ان میں پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے"۔

آخرت کے بارے تو قرآن حکیم صبر کرنے والوں کو بار بار خوشخبری سناتا ہے۔

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

(النحل : ۹۶)

"اور ہم بدلے میں دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے"۔

درج بالا آیات سے کئی اہم نکات سامنے آتے ہیں :

i۔ صبر تمام انبیاء کا بالعموم اور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کا بالخصوص اہم وصف ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام جس مشن پر مبعوث کئے گئے تھے اس کی تکمیل کے لئے صبر کی صفت ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ غلبۂ دین کے مشن کی طرف پیش قدمی کے دوران جو جسمانی و ذہنی تکالیف اُن کو پہنچائی جاتیں ان کے مقابلے میں صبر اُن کا مونس و غم خوار رفیق تھا۔

ii) صبر اہل ایمان کی صفت بھی ہے۔ اہل ایمان چونکہ انبیاء کے پیرو ہوتے ہیں چنانچہ جیسی تکالیف انبیاء کو آتی رہی ہیں ویسے ہی مصائب کا سامنا مؤمنین و صادقین کو کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے اطاعت' دعوت اور اقامت دین کے تمام مراحل میں انہیں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

iii) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مصائب کے دوران صبر سے استعانت کی تلقین کرتا ہے۔ اہلِ ایمان نہ صرف اللہ سے صبر و استقامت کی استدعا کرتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو بھی صبر کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔

iv) اہل ایمان کی کامیابی کا بڑا انحصار چونکہ صبر و استقامت کی قوت پر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کرتا رہتا ہے' تاکہ مؤمنین کے صبر کی جانچ اور پرکھ ہو جائے۔ جو مؤمنین اِن آزمائشوں میں سرخرو ہو جاتے ہیں ان کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

v) کسی اجتماعیت کی طاقت اور عملی کارکردگی کا انحصار صبر کی صلاحیت پر ہوتا ہے۔ اگر ان میں صبر کی قوت شدید ہوگی تو وہ زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ دُنیوی سطوت و پیشوائی انہی لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو صبر کی صفت کو اپنے اندر خوب پروان چڑھا لیتے ہیں۔

vi) دُنیاوی مصائب و تکالیف پر صبر کرنے والے مؤمنین سے آخرت میں بے حساب اجر و ثواب اور انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس صبر کی بدولت انہیں جنّت میں خصوصی مقامات حاصل ہوں گے۔

﴿ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ ﴾ (الدھر: ۱۲)

"اور بدلا دیا اُن کو اُن کے صبر پر باغ اور پوشاک ریشمی"۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾ (ھود: ۱۱)

"مگر جو لوگ صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں ان کے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا"۔

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (الزمر: ۱۰)

"صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا ثواب بے شمار"۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ۱۵۳)

"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۴۶)

"اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک نام الصبور ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ ((اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اَسْمَاءً ' مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ ..... الصَّبُوْرُ)) (ترمذی)

"اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' جو انہیں یاد کرے گا وہ جنّت میں جائے گا..... ضبط

کرنے والا"۔

عام شارحین نے لفظ احصاء کی مراد صرف زبانی یاد کرلینا قرار دی ہے، مگر اربابِ حقائق لکھتے ہیں کہ مقصد صرف اتنا نہیں بلکہ اس سے آگے ان اسماء کے ساتھ تخلّق و تشبّہ حاصل کرنا بھی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کچھ یوں ہے :

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : ((مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی سَمِعَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَدْعُوْنَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْهِمْ یَرْزُقُهُمْ)) (بخاری)

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اللہ سے زیادہ تکلیف کی بات سن کر صبر کرنے والا مَیں نے کوئی نہیں دیکھا۔ مشرک کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے، باوجود ایسی باتوں کے وہ ان مشرکوں کو بھلا چنگا کرتا ہے، اُن کو روزی دیتا ہے"۔

صبر اللہ تعالیٰ سبحانہ کی صفات میں سے ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مؤمن صبر و استقامت کی روش اختیار کرتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو اپنی استطاعت کی حد تک خُلقِ الٰہی سے مزیّن کرتا ہے، جس سے اس کے اندر روحانی ترفع پیدا ہوتا ہے، جو کہ قربِ الٰہی کا باعث ہے اور یہی اصلاً مطلوب و مقصود ہے۔

صبر کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں، مگر ہمارے نزدیک درج ذیل تقسیم نسبتاً زیادہ جامع اور صبر کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہونے کے علاوہ صبر کے مدارج و مراتب کو بھی بیان کرتی ہے۔ اس تقسیم کے بہتر فہم کے لئے دینی فرائض کے جامع تصور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

① دینی فرائض کی پہلی منزل انفرادی زندگی میں اللہ کی بندگی اختیار کرنا ہے۔ اس مرحلے کی مناسبت سے صبر کی دو معروف اقسام ہیں۔

(i) صبر علی الطاعة : شریعت کے اوامر پر عمل کرنا۔ اس کے دو اجزاء ہیں : (ا) یعنی شرعی اوامر کو پابندی و باقاعدگی سے ادا کرنا۔ (ب) صبر فی العمل : عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا، اطاعت بجالانے کے وقت ان کے حقوق کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا، مثلاً

نماز کو پورے خشوع و خضوع سے ادا کرنا۔

(ii) صبر علی المعاصی : یعنی نفس کو ان باتوں سے روکنا جنہیں شریعت نے کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ عرفِ عام میں انہیں گناہ و معاصی کہا جاتا ہے۔

② دینی فرائض کی دوسری منزل یعنی دعوت و تبلیغ کے مرحلے پر صبر کی درج ذیل اقسام ہیں :

(i) صبر علی المعاش : یعنی اپنے کیریئر اور معاش کو جائز و ناجائز ذرائع استعمال کر کے پھیلانے کی بجائے اپنے آپ کو دعوت و تبلیغ کے لئے فارغ کرنا۔ اس کی اعلیٰ ترین سطح تو یہی ہے کہ فرد اپنے آپ کو ہمہ وقت اس کام کے لئے وقف کر دے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو اس کے لئے کچھ اوقات مستقلاً مقرر کر دے' حالانکہ وہ ان اوقات میں معاشی جدوجہد کر سکتا تھا یا دیگر کام سرانجام دے سکتا تھا۔

(ii) صبر علی الاستھزاء : داعی کو کڑوی کسیلی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ انہیں سن کر جوابی حملہ کرنے یا بددل ہو کر بیٹھ رہنے کی بجائے صبر و ثبات کے ساتھ دعوتِ دین کا کام کرتے چلے جانا اور اللہ کی رضا و خوشنودی کو پیش نظر رکھنا۔

③ دینی فرائض کی بلند ترین سطح غلبہ و اقامتِ دین کی جِدّوجُہد ہے۔ اس مرحلے پر صبر کی شدید ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں صبر کے مقامات کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں :

(i) صبرِ محض (Passive Resistance) : ہر طرح کی زبانی' بدنی و مالی اذیتوں کو برداشت کرنا' بے چین نہ ہونا' مستقل مزاجی کے ساتھ اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں مصروف رہنا۔ اس کے درج ذیل پہلو ہیں :

ا) صَبْر عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ : ہر طرح کی ملامت' طنز اور تکلیف دہ باتوں کو تحمل کے ساتھ سہہ جانا' اللہ کی یاد دل میں بسائے رکھنا۔

ب) صَبر فی الباساء : اقامت دین کی جدوجہد کی بدولت جو مالی پریشانیاں اور بحران آئیں ان کے علی الرغم اپنا کام نہ چھوڑنا۔ خدا پر نظر رکھنا اور مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرنا نہ اُن سے توقع رکھنا۔

ج) صَبر فی الضّراء : تکالیفِ جسمانی پر صبر کرنا' یعنی اقامتِ دین کی جدّوجُہد کے

دوران کیسی ہی جسمانی ایذاء کیوں نہ دی جائے' غلبۂ دین کی جدّوجُہد سے دستبردار نہ ہونا۔ اس دوران اللہ پر نظر رکھنا اور اس سے استقامت کی دعا کرتے رہنا۔

(ii) مصابرت۔ راست اقدام (Active Resistance) : معرکۂ حق و باطل کے دوران جب دوبدو لڑائی کا موقع آجائے تو ثابت قدم رہنا۔ اپنے اسباب کی کمی بیشی بھی پریشان نہ کرے' دشمن کے اسباب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے۔ نہ ہونے کے مقام پر بھی تعلق باللہ میں رفعت ہو۔ حالات کو حکیمِ مطلق کی حکمت کے تابع مانا جائے۔ اس دوران جان بھی قربان کرنی پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔

امام غزالی نے احیاءِ علوم الدّین میں صبر کی مضبوطی یا کمزوری کے لحاظ سے لوگوں کے تین درجات بیان کئے ہیں :

ا) بہت قلیل تعداد ان کی ہے جن میں صبر ایک مستقل حال بن چکا ہے۔ یہ صِدّیقون یا مقربون ہیں۔

ب) وہ جن پر حیوانی داعیات کا غلبہ ہے۔

ج) وہ جن میں دونوں قوتوں کا تصادم برابر جاری رہتا ہے۔

آیۂ بر کے آخر میں ایمان' عبادات اور اخلاقِ حسنہ سے متصف ہونے والے افراد کو صادقین اور متقین جیسے خطابات سے نوازا گیا ہے۔ جو لوگ علم و عمل کے تمام فضائل کے درجۂ کمال کو پہنچ جاتے ہیں ان کو شریعت کی زبان میں صدیق کہتے ہیں' جو نبوت کے بعد انسانیت کا مرتبہ کمال ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں فرمایا گیا :

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

(النساء: ۶۹)

"اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں' اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔"

متقیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے :

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (التوبة: ۳۶)

"اور جان لو کہ اللہ ہے ساتھ ڈرنے والوں کے"۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (التوبة: ۴)

"بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے"۔

﴿ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (هود: ۴۹)

"البتہ انجام بھلا ہے ڈرنے والوں کا"۔

مقامِ صدیقیت ہو یا مقامِ تقویٰ آیۂ برمیں مذکور اوصاف کے ذریعے ہی ہاتھ آسکتے ہیں۔ ان اوصاف کا بڑا جز و اخلاقِ حمیدہ و حسنہ پر مشتمل ہے۔ چنانچہ مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے اعلیٰ اخلاق و صفات کو اپنی شخصیت کا جز و لاینفک بنانا لازمی ہے۔ ان کی موجودگی ہی میں فرد اور اجتماعیت اللہ کی فیوض و برکات کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ بصورتِ دیگر فرد و اجتماعیت عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے جملہ اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنا کوئی اضافی یا نفلی نیکی نہیں' بلکہ لازمی ذمہ داری ہے۔

مراجع و مصادر

ترجمہ و تفسیر :

۱) شبیر احمد' عثمانی' علامہ: تفسیر عثمانی' دار تصنیف کراچی

۲) محمد جوناگڑھی' مولانا: ترجمۂ قرآن' شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ

۳) امین احسن اصلاحی' مولانا: تدبر قرآن' فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۶ء

۴) محمد شفیع' مفتی: معارف القرآن' ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۹۹ء

حدیث و سیرت :

۵) وحید الزمان' علامہ : تیسیر البخاری' ترجمہ و تشریح صحیح بخاری شریف' نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۰ء

۶) عبد التواب' مولانا: ترجمہ و حواشی بلوغ المرام' فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۹۲ء

۷) محمد منظور نعمانی' مولانا: معارف الحدیث (جلد اول' دوم)' مکہ پبلشنگ کمپنی لاہور

۸) بدر عالم میرٹھی' مولانا: ترجمان السنہ (جلد اول)' ادارہ اسلامیات لاہور

۹) سلیمان ندوی' سید: سیرت النبی (جلد ششم)' الفیصل ناشران و تاجران کتب ۱۹۹۱ء

دیگر کتب :

۱۰) دائرہ معارف اسلامی (جلد دوم' دوازدہم)' جامعہ پنجاب لاہور

۱۱) اسرار احمد' ڈاکٹر: راہ نجات (سورۃ العصر کی روشنی میں)' انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲) اشرف علی تھانوی' مولانا: شریعت و طریقت' ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۱ء

۱۳) ابوالاعلی مودودی' سید: حقیقت زکوٰۃ' تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

۱۴) عاصم نعمانی: تصوف و تعمیر سیرت' اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۵ء

۱۵) برہان احمد فاروقی' ڈاکٹر: منہاج القرآن' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۱۶) محمد تقی امینی' مولانا: عروج و زوال کا الٰہی نظام' مکی دارالکتب لاہور

۱۷) محمد رفیع الدین' ڈاکٹر: Idealogy of the Future' شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۷۰ء

رسائل :

۱۸) اسرار احمد' ڈاکٹر: (انفاق فی سبیل اللہ) حکمت قرآن' جون ۱۹۹۰ء' انجمن خدام القرآن لاہور

۱۹) امین اللہ وشیر' ڈاکٹر: (اسلامی معیشت میں سادگی کی اہمیت)' حکمت قرآن' مارچ ۱۹۹۱ء' انجمن خدام القرآن لاہور

۲۰) محمد سلیمان' حافظ : (اسلام کی معاشی تعلیمات)' حکمت قرآن' اکتوبر ۱۹۸۵ء' انجمن خدام القرآن لاہور

ویڈیو کیسٹس

۲۱) اسرار احمد' ڈاکٹر: (ا) آیۂ بر (ب) انفاق سے پہلوتہی کا نتیجہ' نفاق (ج) تواصی بالصبر (ابوظہبی پروگرام)

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف :

اسلام اور پاکستان

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

ع صدّیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس!

سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ' علّامہ اقبال کی نگاہ میں

مرتّب : طارق محمود' جدہ

بات اعلیٰ و ارفع بھی ہو' کہنے کا موقع و محل بھی ہو' قوتِ بیان بھی ہو' اور ایک ہی بات سے بہت سے نکات بھی عیاں ہو جائیں تو وہ فکرِ اقبال کہلاتا ہے' جس کا ایک نمونہ ان کا درج ذیل شعر ہے ؎

سوزِ صدّیق ؓ و علی ؓ از حق طلب
ذرّۂ عشق نبی ؐ از حق طلب

خالقِ کائنات (جلّ جلالہ) اور مقصودِ تخلیقِ کائنات (صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ و آلہ واصحابہ وسلم) کے بعد جن انبیاء کرام کا ذکر خیر کلامِ اقبال کو حیات بخشتا ہے ان میں ابوالبشر سیّدنا آدم' ابوالانبیاء سیّدنا ابراہیم اور سیّدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہم السلام شامل ہیں۔ ازاں بعد غایت درجہ عقیدت و احترام سے جن ہستیوں کا ذکر فکرِ اقبال کو منوّر اور مزیّن کرتا ہے ان میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں۔

۲۵ جمادی الاخریٰ کو سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یومِ وصال ہے اور فکرِ اقبال کے حوالے سے ان ہی کا تذکرہ آج باعثِ راحتِ جان ہے۔

اگر کوئی کہے کہ جنابِ صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کو چند الفاظ میں بیان کرو تو بالیقین وہ حضرت علّامہ کا یہ شہرۂ آفاق مصرع ہے ع

عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفیٰ ؐ

اور کوئی کہے کہ محرمِ رازِ درونِ مے خانہ کے مذکورہ بالا مصرع کے لئے کوئی عملی زندگی پیش کرو جو لحہ بہ لحہ اس کی صداقت کا ثبوت دے تو وہ بھی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کی

ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

بانگِ درا میں ۱۴ اشعار پر مشتمل جو عقیدت کے پھول عندلیبِ باغِ حجاز علامہ محمد اقبال نے اس ہستی کے بارے میں کہے کہ جو "افضل البشر بعد الانبیاء بالتّحقیق" ہے' ان میں سے صرف تین کا ذکر کر کے اپنے اور قارئین کرام کے ذوق و شوقِ محبّت کو جلا بخشنے کا سامان کرتا ہوں ع

اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبّت ہے استوار
بولے حضورؐ چاہیئے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبّت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار!

ان اشعار کے بعد جو کچھ کہا وہ سیّدنا عالی جناب صِدّیق رضی اللہ عنہ کے عشقِ رسول کے ضمن میں ضرب المثل بن گیا ع

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صِدّیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس!

قرآنِ مجید میں سورۂ اخلاص کا مقام اور اُمّتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا افضل الصّلوٰۃ و السلام) میں جناب سیّدنا صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ہر صاحبِ مقام پر عیاں ہے۔ اور اگر جناب صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ خواب میں سورۂ اخلاص کی تفسیر اُس شخص کو سمجھائیں جس نے اپنے متعلق کہا ع

برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

تو پھر پتہ چلتا ہے کہ اس شخص کے اس عہد میں حکیم الاُمّت کے عمدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے روحانی اسباب کیا تھے۔

مثنوی اسرار و رموز کے آخر میں "خلاصۂ مطالبِ مثنوی در تفسیر سورۂ اخلاص" کے عنوان سے علامہ محمد اقبال نے اسرار و رموز کا بیان کیا ہے جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نے انہیں سمجھائے۔ ان میں سے پہلے چار اشعار کا ذکر کرتا ہوں ؎

من شبے صدّیق ؓ را دیدم بخواب
گُل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب
آں اَمَنَّ النّاس بر مولائے ما
آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما
ہمّتِ او کشتِ ملّت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر
گفتمش اے خاصّۂ خاصانِ عشق
عشق تو سر مطلعِ دیوانِ عشق

راقم الحروف اپنی کم مائیگی، شکستہ عملی اور تمنّائے لطف و کرم کے ساتھ جناب سیّدنا صدّیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے متعلق حضرت علامہ محمّد اقبال کے ان اشعار کو اللہ رب العزت کی ازلی و ابدی رحمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے بیان کرتا ہے ؎

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدۂ صدیق ؓ اگر
قوّتِ قلب و جگر گردد نبی (ﷺ)
از خدا محبوب تر گردد نبی (ﷺ)

امام ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر : عبدالرشید عراقی

امام ابو داؤد طیالسیؒ کی شہرت ان کے علم حدیث میں صاحب کمال ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ حدیث میں ان کی مہارت اور ژرف نگاہی کی وجہ سے ان کو "امامِ حدیث" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ حفظ و ضبط میں اُن کے اعلیٰ و ارفع ہونے کا اعتراف علمائے فن، محدثین کرام اور اربابِ سیر نے کیا ہے۔ اور بعض علمائے کرام نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ان کو چالیس ہزار سے زیادہ احادیث زبانی یاد تھیں۔ خطیب نے اپنی کتاب "تاریخ بغداد" میں امام علی بن مدینی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

"میری نظر سے کوئی اُن سے زیادہ حدیثوں کا حافظ نہیں گزرا"۔

حافظ ذہبی نے ابنِ عدی کا یہ قول تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے کہ :

"بصرہ میں ابو داؤد طیالسی اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے"۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ :

"امام ابو داؤد طیالسی طویل حدیثوں کو اچھی طرح محفوظ کرتے تھے اور اس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے"۔

عدالت و ثقاہت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ علماء کے جرح و تعدیل نے اس کی توثیق کی ہے اور انہیں ثقہ و ثابت لکھا ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام یحییٰ بن معین، ابو مسعود رازی، امام ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب نسائی، ابنِ حبان اور علامہ محمد بن سعد صاحب طبقات نے ان کے ثقہ و ثابت ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"یحییٰ بن معین، ابنِ مدینی، وکیع بن الجراح اور دیگر علمائے رجال نے ان کے ثقہ و ثابت ہونے کی توثیق کی ہے"۔

معرفت حدیث میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ اور اس کا اعتراف بھی علمائے جرح و تعدیل نے کیا ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ :

"امام یحییٰ بن معین اُن کو عبدالرحمٰن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحب علم اور حدیثوں کا واقف کار بتاتے تھے۔ اور ان کے استاد امام شعبہ کو ان کے علم و تمیز پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسند درس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دے دیتے تھے"۔

ولادت

امام ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن جارود ماہ ربیع الاوّل ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام ابو داؤد طیالسی کے اساتذہ و تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ انہوں نے دوسری صدی ہجری کا زمانہ پایا جو علم و فضل اور خیر و برکت کے لحاظ سے خیر القرون میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کو برگزیدہ علمائے اسلام کی صحبت میسر آئی اور بڑے بڑے جلیل القدر اور نامور محدثین کرام سے انہیں استفادہ کا موقع میسر آیا۔ امام ابو داؤد کے نامور اساتذہ میں امام سفیان ثوری، امام شعبہ، حماد بن سلمہ، حبیب بن یزید اور جریر بن عبدالحمید جیسے نامور محدثین شامل ہیں۔ اور ان کے تلامذہ کا حلقہ بھی وسیع ہے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں امام ابو مسعود رازی، عثمان بن ابی شیبہ، علی بن مدینی، محمد بن بشار بندار اور محمد بن سعد کاتب واقدی جیسے محدثین شامل ہیں۔

آپ کے استاد امام جریر بن عبدالحمید نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ مؤلفین صحاحِ ستہ اور امام ابو داؤد طیالسی کے زمانہ میں کافی تفاوت ہے۔ اس لئے ان میں سے تین نے بالواسطہ آپ سے روایت کی ہے۔

حافظ ابنِ حجر نے امام بخاری کے بارے میں لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے امام ابو داؤد سجستانی کے متعلق لکھا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری نے امام ترمذی کے سلسلہ رواۃ میں ان کا نام گنایا ہے۔

وفات

امام ابو داؤد طیالسی نے ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مسند ابو داؤد طیالسی

یہ امام ابو داؤد طیالسی کی مشہور کتاب ہے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ یہ مسند سب سے زیادہ قدیم ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے طبقاتِ کتب حدیث میں اس کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

یہ مسند گیارہ اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح کی گئی ہے کہ پہلے خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث درج کی گئی ہیں۔ چھٹا جزء صحابیات کی روایات پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اس کے بعد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایات درج کی ہیں اور کہیں کہیں آثارِ صحابہ بھی نقل کئے گئے ہیں۔ اس مسند کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات دوسری مشہور کتب حدیث میں موجود ہیں۔

مسند ابو داؤد طیالسی ۱۳۲۱ھ میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۹۲ ہے۔ ارکانِ دائرہ نے حواشی میں متعدد کتب حدیث خصوصاً مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد سے اس کی حدیثوں کی مطابقت یا اختلاف دکھایا ہے۔

مراجع و مصادر

۱) ابن حجر، تہذیب التہذیب
۲) حاجی خلیفہ، کشف الظنون
۳) خطیب بغدادی، تاریخ بغداد
۴) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ
۵) عبد العزیز دہلوی، بستان المحدثین
۶) محمد بن سعد، طبقات ابن سعد
۷) محمد جعفر کتانی، الرسالۃ المتطرفۃ
۸) شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ
۹) عبد الرحمن مبارک پوری، مقدمہ تحفۃ الاحوذی

سالانہ رپورٹ شعبہ خط و کتابت کورسز

(1999ء-2000ء)

مرتّب : انوار الحق چوہدری، ناظمِ شعبہ

1.1- دعوتِ رجوع الی القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی کی دعوت "رجوع الی القرآن" کی متعدد جہتیں (Facets) ہیں۔ عوام کے لئے ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن اور خطبات جمعہ، قرآن کالج میں نوجوان طلبہ کے لئے یونیورسٹی کورسز یعنی ایف۔ اے، بی۔اے کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم یعنی عربی گرامر، قرآن اور حدیث کی تعلیم، عمر رسیدہ اور Serving احباب کے لئے عربی گرامر اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس، تجوید سیکھنے کے لئے سپیشل کلاسز، بچوں کے حفظ قرآن کے لئے جامع القرآن، قرآن اکیڈمی میں شعبہ حفظ قرآن وغیرہ۔

1.2- تحریک رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل- دورۂ ترجمۂ قرآن

1984ء سے ہر سال ماہِ رمضان میں جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ہزاروں خواتین و حضرات مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن اکیڈمی کے علاوہ لاہور میں اور بہت سے مقامات پر اور مزید برآں سارے پاکستان میں دوسرے شہروں میں بھی دورۂ ترجمۂ قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ 2000ء-1999ء میں ماہِ رمضان میں سارے پاکستان میں 87 مقامات پر دورۂ ترجمۂ قرآن کا اہتمام کیا گیا۔

1.3- اس کے علاوہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی کے لاکھوں کی تعداد میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تمام دنیا میں پھیل چکے ہیں، جن کے ذریعہ سے قرآن مجید کی تعلیمات کو نوعِ انسانی کے لئے عام کیا گیا ہے۔

2.1- شعبہ خط و کتابت کورسز

ایسے طلبہ و طالبات اور خواتین و حضرات جو ملک سے یا لاہور سے باہر ہیں یا جن کے لئے کسی وجہ سے قرآن کالج / قرآن اکیڈمی لاہور میں حاضری ممکن نہیں، ان کے لئے خط و کتابت کورسز ترتیب دیئے گئے ہیں، تاکہ گھر بیٹھے سہولت کے ساتھ اپنے فارغ وقت میں عربی گرامر اور قرآن کی

تعلیم حاصل کر سکیں اور درج ذیل کورسز سے استفادہ کر سکیں :

i) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
ii) ابتدائی عربی گرامر (حصہ اول)
iii) ابتدائی عربی گرامر (حصہ دوم)
vi) ابتدائی عربی گرامر (حصہ سوم)
v) ترجمۂ قرآن کریم کورس

پہلے کورس کا آغاز جنوری 1988ء میں کیا گیا۔ اس کورس کا مقصد خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات کو قرآن حکیم کے مربوط مطالعے کے ذریعے دین کے جامع اور ہمہ گیر تصور سے متعارف کرانا ہے۔ بفضل باری تعالیٰ یہ کورس خوب زور و شور سے جاری ہے اور اس میں حصہ لینے والوں کی تعداد 3366 تک پہنچ چکی ہے۔ بیرون ملک اس کورس کا اجراء سعودی عرب میں جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، ریاض، دہران اور الواسیع میں ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ ابوظبی، دوبئی، شارجہ، راس الخیمہ، انگلینڈ، فرانس، کینیڈا، امریکہ اور ناروے میں بھی کورس کا اجراء ہو چکا ہے۔

دوسرے کورس (حصہ اول) کا اجراء نومبر 1990ء میں کیا گیا۔ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھنے کے لئے ابتدائی عربی گرامر کا جاننا ناگزیر ہے۔ اس کورس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ کو عربی گرامر کے بنیادی اصولوں سے اس حد تک متعارف کرا دیا جائے کہ قرآن اور احادیث سے براہِ راست استفادہ کے لئے انہیں ایک بنیاد حاصل ہو جائے۔ اول الذکر کورس کی طرح یہ کورس بھی بہت مقبول ہوا۔ اس کے طلبہ اور طالبات کی تعداد 1903 تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کورس بھی بیرونِ پاکستان سعودی عربیہ، ابوظبی، دوبئی، شارجہ، انگلینڈ، فرانس، کینیڈا اور امریکہ میں جاری ہو چکا ہے۔

اس کورس کے حصہ دوم کا آغاز بھی اکتوبر 1992ء میں کر دیا گیا تھا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 243 تک پہنچ چکی ہے۔ جبکہ حصہ سوم کا آغاز مارچ 1997ء میں ہوا۔ اس میں طلبہ کی تعداد 98 تک پہنچ چکی ہے۔

2.2۔ ترجمہ قرآن کریم کورس

1996ء میں شعبہ خط و کتابت کورسز میں ایک نئے کورس بعنوان "ترجمہ قرآن کریم کورس" کا اجراء کیا گیا۔ یہ کورس خاص طور پر بچوں اور نوجوانوں کے لئے جاری کیا گیا ہے، یعنی سکول اور کالج کے طلبہ و طالبات جو اردو میں لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ ان طلبہ و طالبات کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور یہ الفاظ کا ترجمہ بآسانی یاد کر سکتے ہیں۔

آج کل کے مادی دور میں زندگی کا مقصد دنیا کا حاصل کرنا ہی بنا لیا گیا ہے۔ جب ہمارے ہاں اولاد ہوتی ہے تو اس کے لئے ہماری بڑی سے بڑی کوشش اور خواہش کیا رہنے لگتی ہے؟ یہی نا کہ یہ اونچی ڈگری حاصل کرے، اونچے سے اونچے مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو اور اعلیٰ ملازمت

حاصل کرے۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر والدین اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اندھا دھند انگلش سکولوں' پروفیشنل کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جھونک دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نئی نسل قرآن و سنّت اور شعائر اسلام سے بالکل بے بہرہ رہ جاتی ہے۔ جن گھروں میں والدین باقاعدگی سے نمازیں ادا کرنے والے اور تلاوتِ قرآن کرنے والے ہوتے ہیں ان کی اولاد انگلش سکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے دین (قرآن' نماز) سے بالکل بے بہرہ جاتی ہے۔

ایسے نوجوان بچوں اور بچیوں کو ترجمہ قرآن سکھانے کے لئے ایک طریقہ وضع کیا گیا ہے۔ بچے اور بچیاں اپنے گھروں میں رہتے ہوئے دس پندرہ منٹ فارغ کر کے قرآن کریم کا ترجمہ سیکھ سکتے ہیں۔ ٹیوٹر کی ضرورت ہے نہ ٹیوشن فیس دینے کی۔ دین دار والدین جنہوں نے کسی وجہ سے اب تک اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینے کی طرف توجہ نہیں دی' وہ صرف تھوڑی سی توجہ کر کے اپنے بچوں بچیوں کو اس طریقہ کے مطابق قرآن کریم کا ترجمہ سکھا سکتے ہیں۔ انہیں صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ بچے روزانہ دس پندرہ منٹ اس کام کے لئے صرف کریں گے اور ناغہ نہیں کریں گے۔

تدریس : قرآن کریم میں تقریباً اسّی ہزار (80,000) الفاظ ہیں' مگر اصل الفاظ دو ہزار (2000) ہیں جو بار بار آنے کی وجہ سے اسّی ہزار کی تعداد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان دو ہزار الفاظ میں بھی تقریباً پانچ سو (500) الفاظ وہ ہیں جو اردو میں بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بار بار استعمال ہونے والے الفاظ کتابچہ ترجمہ قرآن میں دے دیئے گئے ہیں۔ طلبہ اور طالبات نے ان الفاظ کو یاد کرنا ہے۔ جب یہ الفاظ خوب یاد ہو جائیں تو بچے "ترجمہ قرآن کریم" پہلے پارہ سے شروع کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے حافظ نذر احمد صاحب کا ترجمہ recommend کیا جاتا ہے۔ ترجمہ قرآن کریم کورس کی تدریس' اس کے نصاب' طریقہ امتحان' تعلیمی استعداد اور کورس کے دورانیہ کے لئے پراسپکٹس کی طرف رجوع کریں۔ اس کورس کے اختتام پر کامیاب طلبہ و طالبات کو سند جاری کی جاتی ہے۔ اس کورس کی فیس صرف 100 روپے رکھی گئی ہے۔ فروری 1996ء سے اب تک اس کورس میں 656 طلباء اور طالبات داخلہ لے چکے ہیں' جبکہ 47 طلبہ و طالبات کورس مکمل کر کے سند حاصل کر چکے ہیں۔

4۔ موازنہ

	(جولائی 98 تا جون 99ء)	(جولائی 99 تا جون 2000ء)
1) **قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس :**		
ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	138	113

ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	35	29
2) عربی گرامر کورس (حصہ اول) :		
ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	110	142
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	24	24
3) عربی گرامر کورس (حصہ دوم) :		
ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	20	31
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	19	14
4) عربی گرامر کورس (حصہ سوم) :		
ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	22	17
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	12	15
6) ترجمہ قرآن کریم کورس :		
ا) دوران سال داخلہ لینے والوں کی تعداد	110	127
ب) دوران سال کورس مکمل کرنے والوں کی تعداد	20	27

• ایک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
• دعوت و تبلیغ اور غلبۂ دین کی جدوجہد نفلی نیکی کے کام ہیں
یا بنیادی فرائض میں شامل ہیں؟

ان موضوعات پر ایک مختصر لیکن نہایت جامع کتابچہ

دینی فرائض کا جامع تصوّر

از: ڈاکٹر اسرار احمد

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

وقت کے نہایت اہم اور نازک موضوع

اسلام میں عورت کا مقام

امیر تنظیم اسلامی وصدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل ومفصل خطاب' کتابی شکل میں دستیاب ہے

جس میں اس خطاب کے علاوہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تالیف ''نقوش اقبال'' سے ماخوذ

عورت اقبال کے کلام میں

نیز اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا ماہنامہ ''آنچل'' کراچی میں شائع شدہ

انٹرویو اور روزنامہ ''جنگ'' لاہور فورم پر بات چیت بھی شامل ہیں

☆اعلیٰ طباعت ☆صفحات 120 اشاعت عام -/20 روپے

☆☆☆

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 5869501 ۔ 5869502 ۔ 5869503

Nov. 2000 Reg. No. CPL. 126

MONTHLY
Hikmat-e-Quran
LAHORE

Vol. 19
No. 11

6 کمپیوٹری ڈی کا پیکیج صرف 450/-

رمضان المبارک کے مہینے میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے

شعبہ سمع و بصر کی شاندار پیشکش

چھ کمپیوٹر CD's خریدنے پر 150 روپے کی بچت

ایک سی ڈی کی قیمت 100/-

بیان القرآن

108 گھنٹوں پر مشتمل اس سی ڈی میں ڈاکٹر اسرار احمد کی آواز میں قرآن کا مکمل ترجمہ اور تشریح قرآنی متن کے ساتھ ریکارڈ کی گئی ہے۔

تلاوت قرآن

دو عظیم مصری قراء قاری الشیخ محمد صدیق المنشاوی اور قاری الشیخ محمود خلیل الحصری کی آواز میں مکمل تلاوت قرآن مع متن پہلی بار کمپیوٹری ڈی پر پیش کیا گیا ہے

الہدیٰ

44 لیکچرز پر مشتمل اس سی ڈی میں ہمارے دین کے بنیادی تصورات پر تفصیلی گفتگو کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 29 اہم خطبات جمعہ موجود ہیں۔

اسلام اور خواتین

اسلام کی معاشرتی زندگی' اسلام میں عورت کا مقام' حجاب کے بارے میں احکامات جیسے اہم موضوعات پر ڈاکٹر اسرار احمد کے 15 لیکچر پر مشتمل سی ڈی

Basic Themes of Al-Quran

انگریزی زبان میں 20 گھنٹوں کی لیکچر سیریز پر مشتمل اس سی ڈی میں ایمان' شرک' نفاق' جہاد اور خلافت جیسے کئی بنیادی موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک اہم خطاب پر مشتمل پہلی ویڈیو سی ڈی جس میں پاکستان اور اسلام کی تاریخ اور پاکستان میں اسلام کے مستقبل کو موضوع بنایا گیا

رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے دوستوں کو عید کارڈ کی بجائے ان کمپیوٹری ڈیز کا تحفہ دیجیے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن** 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون 3-5869501

Website:www.tanzeem.org E-mail: anjuman@tanzeem.org